آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ✣ لو تمہیں طورِ تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۵ —————— نمبر ۳

بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۰۶ء

فہرست مضامین

اشاعت اور اعانت

ان احباب کی طرف سے جو سلسلہ احمدیہ میں شامل نہیں اس ماہ میں حسب ذیل مدد پہنچی ہے منشی چھجو خاں صاحب وٹرنری اسسٹنٹ میرٹھ بہ تحریک منشی علی گوہر صاحب وٹرنری اسسٹنٹ جہلم ٤ شیخ عمر بخش صاحب پلیڈر لاہور بہ تحریک خواجہ کمال الدین صاحب ۳ حکیم غلام نبی صاحب لاہور بہ تحریک خواجہ کمال الدین صاحب للعہ ایک دوست جو اپنا نام ظاہر کرنا نہیں چاہتے بہ تحریک مولوی محمد فضل چنگوی للعہ جناب خان عالم صاحب نائب تحصیلدار چنڈ خود بخود للعہ ان میں سے وطن کی تحریک پر کوئی رقم نہیں آئی اور اخبار وطن کا بیان صحیح معلوم نہیں ہوتا کہ بہت سے احباب نے براہ راست قادیان میں اعانت کے چندے بھیجدئے اردو رسالے کے مینیجر بعض دوست اس تحریک پر خریدار ہوئے ہیں مگر اردو رسالہ ابتدا سے کبھی اس تجویز میں شامل نہیں ہوا اگر کسی صاحب نے وطن کی تحریک پر اور اس غلط فہمی کے نیچے اعانت کا روپیہ بھیجا ہو کہ رسالہ حضرت مرزا صاحب کے دعاوی سے الگ کر دیا گیا ہے جس کا ذکر انکے خطوط میں نہیں پایا جاتا تو وہ دفتر میں اطلاع دیکر اپنا روپیہ واپس لے سکتے ہیں احمدی احباب میں سے چودھری رستم علی صاحب ہمیشہ اسی فکر میں لگے رہتے ہیں کہ رسالہ کی اشاعت اور اعانت کا سلسلہ بڑہے اور باوجود دیگر ع‍ ماہوار وہ اب مستقل فنڈ اعانت میں بھیجتے ہیں کئی ایک نئے خریدار بھی بھیج رہے ہیں اور بحسین بار پچاس سالوں کی اعانت کا وعدہ کرتے ہیں سید ناصر شاہ صاحب نے پچاس روپے فنڈ اعانت میں بھیجے ہیں اور مرزا یعقوب بیگ صاحب نے دس سالوں کا چندہ بھیجا ہے اور وعدہ کیا ہے کہ اگر وطن والی تجویز کی تکمیل نہ ہوئی تو دس رسالوں کا چندہ بھیجا ہے اور وعدہ کیا ہے کہ اگر وطن والی تجویز کی تکمیل نہ ہوئی تو دس رسالوں کا اور چندہ بھی بھیجدینگے مولوی میر قاسم علی صاحب دہلی ۳۰ خریدار اردو کے دے چکے ہیں اور دس کی تعداد پورا کرنیکی فکر میں لگے ہوئے ہیں ایسے باہمت ایک ہزار آدمی بھی پیدا ہو جائیں تو رسالہ کی اشاعت خاطر خواہ بڑھ سکتی ہے جماعت امرتسر نے بھی خاص طور پر اب اسکام کی طرف توجہ کی ہے اور للعہ اعانت کے لئے بھیجے ہیں جماعت جہلم اور منشی امام الدین صاحب پلیڈر بیس خصوصاً قابل شکریہ ہیں کہ جسقدر رسالے کہ معفلہ بھیجے گئے تھے ان سب کی قیمت انہوں نے فراہم کر کے بھیجدی ہے دیگر احباب نے جو امداد دی ہے وہ حسب ذیل ہے خدا تعالی ان سب کو جزائے خیر دے

اسمائے جدید خریداران انگریزی میگزین لغایت فروری سنہ ۱۹۰۶ع

منشی ہاشم علی صاحب سرودگڈھ + میر صادق حسین صاحب اٹاوہ + خواجہ کمال الدین صاحب ۳- بابو محمد الٰہی صاحب گوہاٹ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب پنڈی گھیپ ۶ قاضی عبد المجید صاحب لاہور + میاں غلام جیلانی اسلامیہ کالج لاہور ۱- بابو برکت علی صاحب کلرک نہر سیالکوٹ ۱- میاں احمد علی صاحب سیالکوٹ ۱- چودھری محمد نواب خاں صاحب تحصیلدار گجرات ۱ منشی محمد جعفر خاں صاحب منڈلہ ۱- میاں علم الدین صاحب طالب علم اسلامیہ کالج لاہور ۱- بابو شرست علی صاحب پشاور ۱- منشی محمد یوسف صاحب مردان ۱- قاضی محمد یوسف صاحب طالب العلم پشاور ۱- شیخ رحمت اللہ صاحب لاہور ۱- چودھری فضل محمد صاحب رئیس ہرگووال دکھیوہ ضلع ۱- میاں غلام محمد صاحب ساکن رائے ونڈ منشی عبد اللہ جان صاحب کوئٹہ ۱-

اطلاع ضروری - احمدی احباب صوفی عبد الرحمن ... [illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

جواز سود کی کوششیں

سود پر جو مضمون گذشتہ نمبر میں لکھا گیا تھا اسکے اختتام پر میں نے یہ وعدہ کیا تھا کہ سود کے جواز کے لئے جسقدر کوششیں بعض اہل اسلام نے کی ہیں اُن پر آئندہ بحث کیجاویگی اسلئے اس حصہ مضمون میں میں صرف ان لوگوں کے خیالات پر بحث کرونگا جنہوں نے سود کی عام حرمت کا انکار نہ کرکے یہ پہلو اختیار کیا ہے کہ بعض صورتوں میں اسلام کی رو سے سود کا لینا جائز ہے ان تمام کوششوں میں سب سے زیادہ زور اس امر پر دیا گیا ہے کہ لفظ ربا کی تشریح شریعت نے نہیں کی اسلئے یہ لفظ مشتبہ المعنی ہے مگر یہ محض ایک حیلہ ڈھونڈا ہے۔ فقہای اسلام ربا کی دو قسمیں بیان کرتے ہیں ایک ربا النسیہ اور دوسرا ربا الفضل۔ ربا النسیہ سے مراد وہ بڑھوتی ہے جو قرضہ کے کچھ مدت بعد ادا کیا جانے کے عوض لی جاتی ہے اور ربا الفضل سے مراد وہ بڑھوتی ہے جو ہم جنس چیز کے دست بدست مبادلہ کرنے میں لی جاوے پس ربا کے مضمون میں جو اشکال بیان کیا جاتا ہے وہ اس تفریق کی بحث کی وجہ سے ہے لیکن اس بحث کو ہمارے مضمون سے کچھ تعلق نہیں کیونکہ اس مضمون میں میں سود خوری کی ممانعت کو ثابت کرنا چاہتا ہوں اور کسی فقیہ یا عالم نے کبھی اس سود خوری کو جو آج کل بھی دنیا میں مروّج ہے ربا کے معنوں سے خارج نہیں سمجھا بلکہ یہ ربا کی وہ قسم ہے جسکو اصطلاح میں ربا النسیہ کہا جاتا ہے اب ہمارے علماء نے جسقدر بحث ربا کے معنوں پر کی ہے اس کا موضوع یہ ہے کہ آیا ربا الفضل یعنی دست بدست سودے کا ربا بھی اس ربا میں شامل ہے جسکو قرآن شریف نے منع کیا ہے یا نہیں لیکن اس بحث کو مضمون ہذا سے کچھ تعلق نہیں اور سود یقیناً ربا کے معنوں میں آتا ہے اتنا میں ضرور کہونگا کہ میری اپنی سمجھ میں ربا الفضل اس حکم میں شامل نہیں ہے جو سورہ بقرہ کی آخری آیات میں ربا کی ممانعت میں وارد ہوا ہے کیونکہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ راس المال اور ربا کو الگ الگ کرکے بیان کرتا ہے لیکن ربا الفضل میں راس المال ہم کسی چیز کو نہیں کہہ سکتے بلکہ راس المال صرف اس قرضہ کا نام ہے جو کچھ مدت کے لئے دوسرے کو دیا گیا اور اس کا ربا وہ سود ہے جو لیا جاوے ہم جنس اشیاء کے دست بدست مبادلہ میں جو بڑھوتی لی جاوے اسکی حرمت کے متعلق جو کچھ احکام ہیں وہ میرے نزدیک صرف احادیث میں ہیں اور قرآن شریف کی زیر بحث آیات میں یہی ربا مراد ہے جسکو ہم سود کے نام سے نامزد کرتے ہیں

وہ ربا ہے جس کی ممانعت قرآن کریم نے کی ہے عرب کے لوگوں میں زمانہ جاہلیت میں مشہور و معروف امر تھا امام رازی
اپنی تفسیر میں اس جاہلیت کے ربا کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے کہ "ربا النسیہ وہ ہے جو عرب کے
لوگوں میں ایام جاہلیت میں مشہور اور متعارف امر تھا اور وہ یہ تھا کہ ایک شخص دوسرے کو کچھ مال بطور قرضہ
دیتا تھا اس شرط پر کہ قرضہ لینے والا مہینے کے مہینے ایک رقم معین (جسکو شرح سود کہنا چاہیئے) قرضخواہ کو دے اور
راس المال بدستور مدیون کے ذمہ باقی رہتا تھا جب میعاد قرضہ کی ختم ہو جاتی تب قرضخواہ مدیون سے اپنا قرضہ یعنی راس المال
طلب کرتا پھر اگر وہ ادا نہ کر سکتا تو ادھر قرضہ کی رقم بڑھا دی جاتی اور ادھر مہلت بڑھا دی جاتی یہ وہ ربا تھا جو جاہلیت
کے ایام میں جاری تھا" اور ربا کے معنوں کے اسقدر واضح اور کھلے کھلے ہونیکے باوجود یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو بھی
ربا کے معنے معلوم نہ تھے اور انہوں نے کہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ربا کے کچھ معنے نہیں بتائے اس لئے
کہ آپ کو مہلت ہی نہیں ملی اگر ایسی کوئی حدیث پائی جاتی ہو تو میں بلاشبہ اسے غلط کہنے کو تیار ہوں اسمیں شک
نہیں کہ سورہ بقرہ کی وہ آیات جن میں ربا کی ممانعت کا حکم نازل ہوا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے اخیر زمانہ
میں نازل ہوئی ہیں مگر یہ کہنا کہ آپکو ان آیات کے نزول کے بعد اسقدر مہلت ہی نہیں ملی تھی کہ آپ ربا کے معنوں کی
تشریح کر سکتے اور کہ اسلئے یہ مسئلہ بلا وضاحت ہی رہ گیا ایک بالکل بیہودہ دعویٰ ہے کیا ربا کی تشریح کرنیکے لئے
کئی سالوں یا مہینوں یا دنوں کی ضرورت تھی اگر کسی تشریح کی ضرورت تھی تو یہ تو ایک منٹ کا کام بھی نہ تھا۔ یہ
لفظ عام طور پر عرب میں مستعمل تھا اور ربا کا رواج عام تھا آخر اسکی تشریح کے لئے کوئی مجلد تو نہیں بنائے
جانے تھے کچھ نہ کچھ اس کا مفہوم عرب کے لوگوں کے دل میں بھی تھا اگر قرآن شریف نے ان عام معنوں کو چھوڑ
کر ربا کو کسی اور معنوں میں مستعمل کیا تھا تو یہ ممکن نہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسکے معنے مسلمانوں کو نہ بتاتے
کیا یہ ممکن ہے کہ قرآن شریف اسقدر سختی سے مسلمانوں کو سودخوری کے چھوڑنیکا حکم دیتا اور ان کو صاف الفاظ
میں یہ اعلان جنگ دیتا کہ اگر تم ربا کو نہ چھوڑو گے تو خدا اور اسکے رسول کے ساتھ تمہارا جنگ ہے حالانکہ یہ انکو
سمجھائی ہی نہیں دی گئی کہ ربا سے مراد کیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کچھ نہ بتایا اور نہ ہی قرآن شریف
نے یہ تشریح کی یہ کیسا بیہودہ خیال ہے جو شخص یہ کہتا ہے کہ قرآن شریف نے ایسے احکام بھی دئے ہیں اور
مسلمانوں کو ان پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے اور عمل نہ کرنیکی صورت میں غضب کی دھمکیاں دی ہیں حالانکہ انکا مفہوم نہیں بتایا گیا وہ
قرآن شریف سے محض جاہل ہے روح الربانی حقیقۃ الربا کا مصنف جو ایک مشہور مولوی ہے یہی خیال ظاہر کرتا ہے اور پھر
مثال کے طور پر کہتا ہے کہ صلوٰۃ اور صوم اور زکوٰۃ بھی مشکوک المعنی الفاظ ہیں ان الفاظ کے اصل معنوں سے تو ہمیں بحث نہیں مگر
سوال یہ ہے کہ جب قرآن شریف میں انکے متعلق احکام دیئے گئے تو کیا مسلمانوں کو شک ہی رہا کہ صوم صلوٰۃ اور زکوٰۃ سے کیا
مراد ہے ایسا خیال [illegible] جس طرح دیگر احکام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن شریف سے سمجھایا کہ صلوٰۃ کس طرح ادا کرنی چاہیئے

صوم کے متعلق کیا گیا یا بند باں میں غیرہ وغیرہ تو پھر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب ربا کی حرمت کا حکم دیا تو اگر یہ لفظ تشریح طلب تھا تو اسکی تشریح کیوں نہ کی کیونکہ پھر تو حکم ہی لغو اور بے معنے ٹھہرا اصل بات یہی ہے اور یہی حضرت عمرؓ بھی کہتے ہیں کہ یہ لفظ ایسا مشہور اور متعارف تھا کہ اسکی تشریح کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔

علاوہ ازیں یہ بات بالکل غلط ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسقدر جلدی اس حکم کے نزول کے بعد فوت ہو گئے تھے کہ آپ کو اسکی تفسیر کرنے کا موقع ہی نہیں ملا کیونکہ ان آیات کے نزول کے بعد آپ کا حجۃ الوداع کرنا ثابت ہے جہاں آپنے کل مسلمانوں کو جمع کر کے ایک بہت لمبا وعظ کیا جیسا کہ کل معتبر کتب احادیث میں درج ہے اور اسی کے اثنا میں ربا کے ممنوع ہونے پر بھی زور دیا عن سلیمان بن عمرو عن ابیہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم في حجة الوداع يقول الا ان كل ربا من ربا الجاهلية موضوع لكم رؤس اموالكم لا تظلمون ولا تظلمون الا وان كل دم من دم الجاهلية موضوع واول دم اضع منها دم الحارث بن عبد المطلب . . . . قال اللهم هل بلغت قالوا نعم ثلاث مرات قال اللهم اشهد ثلاث مرات یعنی سلیمان بن عمرو اپنے باپ سے روایت کرتا ہے کہ اس نے کہا کہ میں نے حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا دیکھو ہر ایک ربا زمانہ جاہلیت کا موقوف کیا جاتا ہے ہاں راس المال یعنی کا حق تمہیں ہے نہ تم دوسروں پر ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے دیکھو ہر ایک خون جاہلیت کے خون کا موقوف کیا جاتا ہے اور پہلا خون جسکو میں موقوف کرتا ہوں۔ وہ حارث بن عبد المطلب کا خون ہے۔۔ اسکے بعد آپ نے پکار کر فرمایا کیا میں تم لوگوں تک پیغام پہنچا دیا ہے اور سب نے کہا ہاں اور تین دفعہ آپنے یونہی پکارا اور یہی جواب کل حاضرین نے آپ کو دیا۔ اسکے بعد تین دفعہ آپنے فرمایا اے خدا تو گواہ رہ یعنی اس بات پر کہ میں ان لوگوں کو یہ پیغام پہنچا دیے ہیں اور اسکا یہ سب اقرار کرتے ہیں حدیث کے یہ الفاظ میں ابو داؤد سے لئے ہیں مگر بہت تھوڑی کمی بیشی سے یہی الفاظ ہر ایک معتبر کتاب حدیث میں ملینگے اب ظاہر ہے کہ یہ آپکا فرمانا ان آیات کے نزول کے بعد تھا جو سورہ بقرہ میں وارد ہوئی ہیں جو وہاں بھی بعینہ یہی ذکر ہے کہ راس المال تمکو واپس مل سکیگے مگر ربا تم پر حرام کیا گیا ہے اب یہاں آنحضرت تو کھولکر سمجھاتے ہیں کہ جاہلیت میں جسقدر ربا تم لیتے تھے وہ سب اوسکل کا کل موقوف کیا جاتا ہے اور اس زمانہ کے مجتہد ہمیں کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کو وقت ہی نہیں ملا کہ بتائیں کہ کونسا ربا حرام کیا گیا ہے اور کونسا باقی رکھ لیا گیا ہے یا تو آپنے کوئی باقی نہیں رکھا البتہ جیسا قرآن شریف میں حکم تھا یہ فرمایا کہ اصل روپیہ تمہارا جسے راس المال کہا جاتا ہے جو بطور قرضہ دیا گیا تھا وہ تمہیں واپس مل سکتا ہے کیا اب بھی ربا کے معنوں میں کوئی شک باقی ہے پھر آپنے بآواز بلند ہزارہا حاضرین کو مخاطب کر کے یہ فرمایا کہ کیا میں یہ پیغام تمکو پہنچا دیا ہے اور سب نے بالاتفاق یہی کہا کہ بیشک آپنے پہنچا دیا ہے اگر ربا کے معنوں میں ان کو کوئی شک تھا تو اسوقت کس نے اسکے منہ پر ہاتھ رکھدیا تھا جو یہ کہدیتے کہ اے رسول خدا ہمیں ابھی تک ربا کے معنوں کا کچھ پتہ نہیں لگا ذرا اس کی تشریح

کردیجئے پھر ایک دفعہ نہیں تین دفعہ انہوں نے یہی شہادت دی کہ ہاں ہم ان باتوں کو سمجھ لیا اور آپ نے خدا کا پیغام ہم تک پہنچا دیا یقیناً حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے اور اگر انہوں نے اس موقع پر کچھ نہیں کہا تو بعد میں وہ یہ کیونکر کہہ سکتے تھے کہ ہمیں ربا کے معنی سمجھ میں نہیں آئے کیونکہ آنحضرت کو سمجھانے کا موقع ہی نہیں ملا۔

کثرت سے اور احادیث موجود ہیں جنمیں ربا کے متعلق بڑے بڑے وعید آئے ہیں اور میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ ضد ہے یا کم فہمی جو یہ کہا جاتا ہے کہ ربا کے معنوں کا ہی صحابہ کو پتہ نہ تھا اور پھر ان حدیث پر کل اسلامی دنیا کا ابتدا سے عمل بھی رہا ہے جس سے انکا معتبر اور صحیح ہونا ثابت ہوتا ہے ایک حدیث شریف میں جسکو تمام معتبر کتب احادیث نے بیان کیا ہے یہ وارد ہوا ہے کہ لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکل الربا وموکلہ وشاھدہ وکاتبہ یعنی آپ نے سود لینے والے اور سود دینے والے اور سودی معاہدہ کے گواہ اور کاتب پر لعنت کی کیونکہ وہ سب اسی بدی کے معاون ہیں بخاری کی ایک حدیث میں مسروق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں قالت لما نزلت اخر البقرۃ قراھن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المسجد ثم حرم التجارۃ فی الخمر یعنی جب سورہ بقر کی آخری آیات (جو سود کے متعلق ہیں) نازل ہوئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو مسجد میں پڑھا اور اسکے بعد شراب کی تجارت کو حرام کیا اب اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ربا کی حرمت کے بعد ربا کی تشریح کی مہلت نہ ملی تھی تو شراب کی تجارت سے منع کرنے کی مہلت کیونکر مل گئی مصنف روض الزلال نے اس حدیث سے ایک نہایت ہی بیہودہ نتیجہ نکالا ہے جسکو میں بعد میں بیان کرونگا اصل میں اسکو سمجھ نہیں آئی کہ حرمت ربا کی آیات اور تجارت شراب کی حرمت میں کیا تعلق ہے اور ان دونوں کو ایک حدیث میں اکٹھا کیوں بیان کیا گیا ہے اصل وجہ اسکی یہ ہے کہ سورہ بقرہ کی آخری آیات میں جہاں ربا کی حرمت کا ذکر ہے وہاں بیع کی حلت کا ذکر ہے اور چونکہ الربا اور البیع جامع لفظ تھے اسلئے ایک خاص قسم کی بیع کو جسکی حلت قرآن شریف کا منشا نہ تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مستثنیٰ کردیا اس سے یہ صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر الربا میں بھی قرآن شریف کا منشا کسی قسم کا استثنا کرنیکا ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسکو بھی بیان فرمادیتے کیونکہ جب آپنے احل اللہ البیع کا مستثنیٰ بعد نزول آیت بیان فرمادیا تو حرم الربا کا بھی اگر کوئی مستثنیٰ ہوتا تو ضرور بیان فرمادیتے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے الفاظ ولم یفسرلنا کے ایک معنے یہ بھی ہو سکتے ہیں اور اس سے قطعی دلیل پیدا ہوتی ہے کہ مطلق ربا کو قرآن شریف نے حرام ٹھہرادیا اور ربا کے مفہوم میں کسی قسم کا شک کرنا قرآن شریف سے ہنسی کرنا ہے ایسا ہی اور بھی احادیث ہیں جن میں سود خوری کی ممانعت اور سود خوری کے لئے وعید ہے مثلاً دیکھو حدیث صحیح بخاری عن ابن جندب رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم رایت اللیلۃ رجلین اتیانی فاخرجانی الی ارض مقدسۃ فانطلقنا حتی اتینا علی نہر من دم فیہ رجل قائم وعلی وسط النہر رجل بین یدیہ حجارۃ فاقبل الرجل الذی فی النہر فاذا اراد ان یخرج رمی الرجل بحجر فی

فیہ فردہ خبیث کان فجعل کلما جاء لیخرج فی فیہ بحجر فیرجع کما کان فقلت ما ھذا فقال الذی رأیتہ فی النھر آکل الربا ان تمام روایات سے ظاہر ہے کہ ربا کی ممانعت مدت سے تھی ورنہ اسقدر وعید اور اسقدر حرمت کی تاکید نہ پائی جا سکتی تھیں جب قرآن شریف پر غور کیا جائے تو اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے سورہ بقرہ کی آخری آیات سے پہلے کی بھی ایسی آیات قرآن شریف میں موجود ہیں جن میں ربا کی حرمت صراحتاً یا کنایتاً پائی جاتی ہے مثلاً آل عمران میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یاایھا الذین اٰمنوا لا تاکلوا الربوٰا اضعافا مضٰعفۃ ص واتقوا اللہ لعلکم تفلحون اے مومنو نہ کھاؤ سود کہ بار بار اسکو بڑھاتے جاؤ اور تقوی اختیار کرو تا کہ تم فلاح پاؤ اب اسجگہ صراحتاً سود کی ممانعت کی گئی ہے اور دونوں مقاموں کی ممانعت میں اگر کوئی فرق ہے تو صرف یہ کہ سورہ بقرہ میں بہت پرزور الفاظ میں ممانعت کی گئی ہے اور یہاں صرف معمولی الفاظ میں کہدیا ہے کہ لا تاکلوا الربوٰا۔ اب اس امر کی کوئی شہادت نہیں کہ یہ آیت سورہ بقرہ کی آیات کے ساتھ نازل ہوئی ہے جس سے یہ یقینی نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ سورہ بقر کی آیات کے نزول سے بہت پہلے ربا کی ممانعت ہو چکی تھی اور یہی لفظ ہے جسکو قرآن شریف نے سود کا مفہوم ظاہر کرنیکے لئے بار بار استعمال کیا ہے پس یہ کیونکر ممکن تھا کہ ایسے لفظ کا مفہوم تاریکی میں رہتا ایسا ہی سورہ نساء میں اللہ تعالیٰ یہودیوں کو اس بات پر ملزم ٹھہراتا ہے کہ حالانکہ انکو ربا کی ممانعت کی گئی تھی پھر بھی انہوں نے ربا لیا اور خدا کے احکام کی خلاف ورزی کی جیسا کہ فرمایا واخذھم الربوٰا وقد نھوا عنہ۔ بلکہ اس سے بھی مدت پہلے ایک مکی سورۃ میں ربا کا ذکر پایا جاتا ہے جہاں اگرچہ بالصراحت ممانعت نہیں مگر ایسے الفاظ میں ذکر ہے جن سے پایا جاتا ہے کہ ربا کا لینا خدا کی نزدیک پسندیدہ امر نہیں چنانچہ سورہ روم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وما اٰتیتم من ربا لیربوا فی اموال الناس فلا یربوا عند اللہ وما اٰتیتم من زکوٰۃ تریدون وجہ اللہ فاولٰئک ھم المضعفون۔ یعنی جو تم لوگ سود دیتے ہو تا کہ لوگوں کے مال میں بڑھوتری ہو تو وہ خدا کے ہاں نہیں بڑھتا اور جو تم خدا کی رضا جوئی کے لئے زکوٰۃ دیتے ہو وہی لوگ اپنے مالوں کو بڑھا رہے ہیں یہ کیونکر خیال کیا جا سکتا ہے کہ ربا کے اسقدر بار بار ذکر کے باوجود مسلمانوں کو ربا کے مفہوم کا ہی پتہ نہ تھا اس بات پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا کہ بار بار ایک ہی حکم کیوں دیا گیا دیکھو نماز پڑھنے کا حکم قرآن شریف میں کتنی دفعہ آیا ہے ایسا ہی جسقدر ضروری احکام ہیں وہ قرآن شریف نے بار بار بیان فرمائے ہیں کیونکہ سب طبیعتیں یکساں نہیں ہوتیں بلکہ بار بار کے جگانیسے وہ جاگتی ہیں اسی راز کو سمجھکر قرآن شریف نے اپنے ضروری مطالب کو کئی کئی بار دُہرایا ہے۔

اس بحث سے یہ امر واضح ہے کہ ربا کے معنوں میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو کسی قسم کا تردد باقی نہ رہ سکتا تھا پس اگر کوئی حدیث ایسی پیش کی جاوے جس سے معلوم ہو کہ صحابہ کو ربا کے معنے معلوم نہ تھے تو وہ حدیث جھوٹی ہے کیونکہ قرآن شریف کے خلاف ہے مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جو قول بیان کیا جاتا ہے اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا

کہ آپ نے ربا کے معنوں کو نہ سمجھا تھا ابن ماجہ میں آپ کا قول ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے ان اخر ما نزلت اٰیة الربا وان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبض ولم یفسرلنا فدعوا الربا والریبة۔ یعنی آخری وحی جو نازل ہوئی وہ ربا کی آیت ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے اور ہمارے لئے تفسیر نہیں کی پس ربا اور ریبہ کو چھوڑ دو ان الفاظ کا مطلب صاف ہے مگر یہ مطلب نہیں کہ مجھے ربا کے معنے معلوم نہیں کیونکہ اگر یہ مطلب ہوتا کہ ربا کے معنے معلوم نہیں یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں سمجھائے تو پھر خود یہ کیوں فرماتے کہ ربا کو چھوڑ دو اس صورت میں تو چاہئے تھا کہ وہ خود تشریح کر کے لوگوں کو بتاتے یہ تو بالکل بے معنی بات تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ربا کے معنی نہیں سمجھائے پس تم ربا کو چھوڑ دو سننے والوں نے نہ کہا کہ جب خود آپ کی ہی سمجھ میں آج تک ربا کے معنے نہیں آئے اور نبی نے سمجھائے نہیں تو ہم چھوڑیں کس چیز کو وہ ربا کیا بلا ہے حضرت عمرؓ کا یہ منشا تھا کہ دیکھو تم ربا کے معنوں میں شک نہ کرو کیونکہ اگر ربا کے معنوں میں کوئی شک ہوتا تو آنحضرت صلعم خود اسکے معنے بیان فرماتے مگر چونکہ آپ نے معنے بیان نہیں فرمائے اسلئے ربا کے معنے میں کوئی شک نہیں ہے تم ربا کو چھوڑ دو اس طرح یہ معنے ان الفاظ کے صاف ہو جاتے ہیں۔ تفسیر تو ہمیشہ ان الفاظ کی کیجاتی ہے جو مشکوک المعنی ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس لفظ کی تفسیر نہ کرنا صاف ظاہر کرتا ہے کہ قرآن شریف میں یہ لفظ مروج معنوں میں استعمال ہوا اور اسکی تفسیر کی کوئی ضرورت نہ تھی اسی معنی کی تصدیق صاحب مجمع بحار الانوار بھی کرتا ہے چنانچہ لفظ ربا کی تشریح کے نیچے لکھا ہے۔ وفیہ اٰخر ما نزلت اٰیة الربا فدعوا الربا والریبة وھی الذین یاکلون الربا لایقومون الاٰیة فھی غیر منسوخة ولا مشتبھة فلذا لم یفسرھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاترکوا الحیلة فی حلھا وھی المراد بالریبة۔ اس عبارت کا ترجمہ یہ ہے اور اسی بارے میں (یعنی ربا کے بارے میں) حضرت عمرؓ کا یہ قول ہے کہ آخری وحی جو نازل ہوئی وہ آیت ربا ہے پس ربا اور ریبہ کو چھوڑ دو آیت کا اشارہ اسجگہ آیت الذین یاکلون الربوٰا والی آیت کی طرف ہے جو نہ منسوخ ہوئی ہے اور نہ ہی اسکے معنوں میں کوئی شبہ ہے اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی کوئی تفسیر نہیں کی پس ان تمام حیلوں کو جن سے ربا حلال کرنا چاہتے ہو چھوڑ دو اور یہی مراد ریبہ سے ہے یعنی ریبہ سے مراد ہیں ایسے حیلے جن سے ناحق ربا کو جائز بنایا جاتا ہے گویا حضرت عمرؓ کا یہ قول مجوزین سود کی تائید نہیں بلکہ کھلی کھلی تردید کرتا اور انکو متنبہ کرتا ہے کاش وہ غور کریں۔

میں نے اس بحث کو کسیقدر تفصیل کیساتھ اس غرض سے کیا ہے کہ جسقدر لوگوں نے سود کے جواز کی کوششیں کی ہیں ان ہوں نے حضرت عمرؓ کے اس قول پر بہت زور دیا ہے اور یہ بات محض نا فہمی کی وجہ سے ہوتی رہی ورنہ حضرت عمرؓ تو انہی کو متنبہ کر رہے ہیں۔ سید احمد قادر نے تو اپنا سود پر مضمون ہی حضرت عمرؓ کے اس قول سے شروع کیا ہے اور مصنف روض الربیٰ نے بھی اسپر بہت خوشی ظاہر کی ہے کہ حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی کو ربا کے معنے معلوم نہ تھے پس اب ہمارا اختیار ہے جہاں چاہیں ربا کو جائز کر لیں پس اس

غلط فہمی کو دور کرکے اب میں ان لوگوں کے دلائل پر غور کرتا ہوں جنہوں نے جواز سود پر ہماری اس زمانے میں مضامین لکھے ہیں انمیں سے پہلے سر سید احمد خان صاحب کے مضمون پر میں غور کرونگا جو انہوں نے اپنی تفسیر میں اسی آیت کے نیچے لکھا ہے۔ سید صاحب نے ربا یا ربا النسیہ کی تشریح امام رازی سے ہی لی معلوم ہوتی ہے چنانچہ جو کچھ صاحب تفسیر کبیر نے اسکی تشریح لکھی ہے کہ ربائے جاہلیت کیا تھا اسکو لکھکر سید صاحب لکھتے ہیں "یہ طریقہ ربا کا جو عرب جاہلیت میں جاری تھا بعینہ ہندوستان کے سود خواروں میں جاری ہے" اسکے بعد سود خواری کے چند مشہور طریقوں کا ذکر کرکے لکھتے ہیں "یہ سب صورتیں اسی ربا کی ہیں جسکا ذکر اس آیت میں ہے اور بلاشبہ یہ ربا حرام ہے" اسقدر تسلیم کر لینے کے بعد بظاہر کوئی گنجایش استثنا کی نظر نہ آتی تھی لیکن سید صاحب اسجگہ پہنچکر عجیب راہ اختیار کرتے ہیں وہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ کہ حرمت الربوا میں جو حکم ہے وہ عام ہے مگر وہ کہتے ہیں کہ سباق وسباق سے اس حکم کی تخصیص ہو جاتی ہے انکے اپنے الفاظ میں یہ حکم حرمت کا "اسی ربا پر منحصر ہے جو ایسے لوگوں سے لیا جاوے جنکے ساتھ سلوک کرنی اور ان کے ساتھ ہمدردی کرنے کی قرآن مجید میں ہدایت ہوئی ہے" دلیل اس دعوی کی سید صاحب یہ دیتے ہیں۔ کہ حرمت ربا کا ذکر صدقات کے ذکر کیساتھ ہوا ہے اول "خدائے تعالی نے ان لوگوں کا ذکر کیا جو بعوض سلوک و ہمدردی کرنیکے سود لیتے ہیں پس قرینہ مقام وطرز کلام سے صاف پایا جاتا ہے کہ اس آیت میں انہی لوگوں کا ذکر ہے جو غریب مساکین لوگوں سے سود لیتے تھے اور اسی سود کو جو ایسے لوگوں سے لیا جاتا تھا جو قابل رحم اور ہمدردی اور سلوک کرنے کے تھے خدا نے حرام کیا"

یہ دلیل جو سید صاحب نے دی ہے اسقدر بودی اور کمزور ہے کہ جو شخص کچھ بھی غور کریگا وہ فی الفور اسکے بودا پن کو دیکھ لیگا اگر قرآن شریف کے عام احکام کی اسطرح کے قرائن سے یعنی خالی سیاق وسباق سے تخصیص کرنے کا قاعدہ صحیح ہے تو شاید پھر کل کے کل احکام کی عمومیت سے دست بردار ہونا پڑیگا کیونکہ آخر کسی نہ کسی دوسرے حکم کے آگے یا پیچھے ہی انکا ذکر ہوگا۔ سید صاحب کی دلیل کے اجزاء کو اگر الگ الگ کیا جائے تو ماحصل یہ ہے کہ چونکہ قرآن شریف صدقات کی ترغیب کے بعد ہی سود کی حرمت کا ذکر کرتا ہے اور چونکہ صدقات صرف غریب اور مفلس لوگوں کیلئے ہوتے ہیں اسلئے سود کی حرمت بھی صرف غریب لوگوں کے متعلق ہے یعنی جن لوگوں کو صدقات دینے کا حکم ہے انہیں سے سود لینے کی ممانعت ہے یہ نتیجہ کہانتک اصول منطق کے رو سے صحیح ہے ناظرین خود دیکھ سکتے ہیں علاوہ ازیں قرآن شریف نے اسی موقع پر اس خیال کی تردید بھی بصراحت تمام کر دی ہے ان آیات پر غور کرو یا ایہا الذین امنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مومنین ۝ فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ ج وان تبتم فلکم رءوس اموالکم ج لا تظلمون ولا تظلمون ۝ وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ ط وان تصدقوا خیر لکم ان کنتم تعلمون۔ اے مسلمانو تقوی اختیار کرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم مومن ہو اور اگر نہیں چھوڑتے تو اللہ اور اسکے رسول سے لڑنیکے لئے خبردار ہو جاؤ اور اگر توبہ کرو تو تمہاری

راس المال تمہارا حق ہے نہ تم کسی کا نقصان کرو نہ کوئی تمہارا نقصان کرے اور اگر تمہارا مقروض تنگدست ہو تو راس المال کے واپس لینے میں بھی اسے مہلت دو یہاں تک کہ اسے فراخی ہو اور اگر سمجھو تو تمہارے حق میں بہتر ہے کہ اصل رقم قرضہ بھی بطور صدقہ اسے چھوڑ دو ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ ربا کی ممانعت کرتے وقت قرآن شریف نے دو نوں قسم کے مقروض مدنظر رکھے ہیں یعنی تنگدست اور وہ جو تنگدست نہیں تنگدست مقروض کے متعلق تو یہ حکم ہے کہ ربا بھی چھوڑ دو اور اصل رقم قرضہ بھی واپس نہ لو جب تک کہ اسے فراخی نہ ہو اور بہتر یہ ہے کہ اصل رقم بخش ہی دو اور دوسری قسم کے مقروض کے متعلق حکم ہے کہ ربا کو چھوڑ دو اور اصل رقم فی الفور واپس لے لو۔ اب اگر اسکو سید صاحب کی قرآن سے بیخبری نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے کہ قرآن شریف تو صاف صاف دونوں قسم کے مقروضوں کا ذکر کرتا ہے۔ اور سید صاحب کہتے ہیں کہ ان آیات میں صرف ان مقروضوں کا ذکر ہے جو تنگدست تھے۔

سرسید نے بہت سے مذہبی سوالات کے متعلق اسلئے ٹھوکر کھائی ہے کہ قرآن شریف کو مدنظر نہیں رکھا جسکی بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ پہلے ایک رائے ایک سوال کے متعلق قایم کر لیتے ہیں اور پھر جہاں کوئی لفظ حسب منشا ملجاتا ہے اس سے فائدہ اٹھا کر اپنی رائے کی تائید میں اسے لے لیتے ہیں اور قرآن شریف کی اصل تعلیم پر غور نہیں کرتے وہ اپنے اصولوں کو قرآن شریف کی تابع نہیں کرتے بلکہ قرآن شریف کو اپنے اصولوں کے تابع کرنا چاہتے ہیں مغربی تہذیب کے مادی اثر سے موثر اور مرعوب ہو کر پہلے وہ ایک رائے قایم کر لیتے ہیں اور کچھ پرواہ نہیں کرتے خواہ انکی رائے قرآن کریم کے صریح منطوق کے کیسی ہی خلاف ہو۔ اس نقص نے انکی تفسیر کے بہت سے حصہ کو اس وقعت کے قابل نہیں رہنے دیا جو ایسے فہیم اور قابل انسان کی تحریر کو حاصل ہونی چاہیے تھی اسی راہ پر چلکر انہوں نے سود کے جواز کی کوشش کی ہے کیونکہ اگر وہ قرآن شریف کی آیات پر کچھ بھی تدبر کرتے تو ایسی ٹھوکر نہ کھاتے کہ اصول ہی ایسا قایم کریں جسکی تردید قرآن شریف کے الفاظ کر رہے ہیں پھر جب وہ سود کے مضمون پر اسکے نقصانات کے لحاظ سے بحث کرتے ہیں تو اسلام کے پاکیزہ اور صحیح اصولوں کو چھوڑ کر مادہ پرست دنیا داروں کے اصول کی پیروی کرتے ہیں لکھتے ہیں "ربا درحقیقت ایک نہایت بری چیز ہے اور انسانی اخلاق اور تمدن کیلئے بعض حالتوں میں نہایت مضر ہے یا جبکہ ایک پیشہ کر لیا جاتا ہے جیسا کہ سود خوار کرتے ہیں اور مہاجن بطور پیشہ کے اسکو برتتے ہیں۔ تو تمدن کیلئے نہایت مضر ہوتا ہے ذی مقدور شخص اس روپیہ کو ملک کی ترقی اور تجارت کی افزونی میں صرف نہیں کرتا بلکہ خود اپنے ہی ملک کے لوگوں سے انکا مال لے لینے میں صرف کرتا ہے وہ اپنی محنت اور مشقت سے معیشت پیدا کرنے میں بالکل سست ہو جاتا ہے اور لوگوں نے جو محنت اور مشقت سے کمایا ہے اسکے لے لینے پر راغب ہوتا ہے۔ ایک اور صورت ربا کی ہے جو اس سے بھی زیادہ اخلاق انسانی اور روحانی نیکی کے برخلاف ہے اور بلاشبہ حرب من اللہ و رسولہ کے برابر ہے اور وہ یہ ہے کہ جو لوگ غریب و محتاج و مفلس ہیں اور نہ کسی عیش و آرام کے لئے بلکہ صرف اپنی زندگی کے لئے قوت لایموت بہم پہنچانے کو روپیہ یا غلہ قرض لیتے ہیں اور ذی مقدور سودی قرضہ انکو دیتے ہیں اور سود لیتے ہیں ایسا کرنا انسانی ہمدردی اور غریبوں کیساتھ سلوک کرنے کے بالکل برخلاف ہے" یہ نقصان ربا کے سرسید خود بیان کرتے ہیں

مگر اس نقطہ پر پہنچکر انہوں نے اس سچے اور پاکیزہ اسلامی اصول کو چھوڑ دیا ہے کہ وہ بدی جسکے مضرات ثابت ہوں اسے جڑھ سے کاٹنا چاہیئے اور یورپ کے اس اصول کی پیروی اختیار کرتے ہیں کہ بدی کی ایک خاص حد تک اجازت دینے میں کوئی حرج نہیں حالانکہ وہ حد محض وہمی اور خیالی ہوتی ہے چنانچہ سید صاحب کا یہ قول جو اوپر نقل کیا گیا کہ غربا سے جہاں مضرت کا زیادہ احتمال ہے سود نہ لینا چاہیئے اور جہاں بظاہر کوئی نقصان نظر نہ آوے وہاں سود لے لینا چاہیئے اس بات کا موید ہے مگر میں کہتا ہوں کہ اگر سید صاحب کے اس اصول کی پیروی کی جاوے تو پھر شراب خوری اور قمار بازی کو بھی ایک حد تک کیوں جائز نہ رکھا جاوے بلکہ وہاں تو قرآن شریف نے خود ہی فرمایا ہے کہ ان دونوں میں لوگوں کے لئے کچھ کچھ منافع بھی ہیں حالانکہ سود کے منافع کا ذکر قرآن شریف میں نہیں پس سید صاحب کو تسلیم کرنا چاہیئے کہ اگر کوئی شخص شراب کا اس حد تک استعمال کرتا ہے یا قمار بازی اس حد تک کرتا ہے کہ جہاں وہ ان کے نقصانوں سے بچا رہتا ہے تو وہ حق پر ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شراب خوری اور قمار بازی کو ایک حد تک جائز ماننا پڑے گا مگر قرآن شریف نے کسی بدی کے متعلق یہ پہلو اختیار نہیں کیا بلکہ ہر ایک بدی کو جڑھ سے کاٹنے کا حکم دیا ہے اور یہی اصول صحیح بھی ہے کیونکہ جب ایک حد تک بدی کو جائز رکھا گیا تو اسکا دروازہ تو کھول دیا گیا اب روک کیا ہوگی اگر عملی نظیر سید صاحب کے اس اصول کی پیروں کی دیکھنی ہو تو یورپ پر ایک نظر ڈال لو کہ تھوڑا تھوڑا بدیوں کو جائز کرتے کرتے کس حد تک ان میں ترقی کی ہے اس مضمون پر مفصل بحث پہلے حصہ مضمون میں گذر چکی ہے اسلئے میں اسکو یہاں نہیں دہراتا۔

اب میں ان حالتوں کو لیتا ہوں جن کو سید صاحب نے سود کی ممانعت کے مستثنیات سمجھا ہے اور میں یہ دکھاؤنگا کہ سید صاحب اپنے اصول پر بھی قائم نہیں ہے کیونکہ ان تمام صورتوں میں ایسی ہی مضرات پائی جاتے ہیں جیسا کہ اس صورت میں جسکو سید صاحب واقعی حرام سمجھتے ہیں سید صاحب کا پہلا استثنا ان لوگوں کے لئے ہے جو قرضے لیکر عیش اڑاتے ہیں ان سے سود کا لینا وہ جائز سمجھتے ہیں اگرچہ ساتھ ہی انکو یہ خیال بھی آیا ہے کہ "گو انکو قرض دینا بعض حالتوں میں خلاف اخلاق ہو" اب سوال یہ ہے کہ جس صورت میں قرض دینا ہی خلاف اخلاق ہے تو ان سے سود لینا کیونکر مطابق اخلاق ہو گیا یہ بھی سچ نہیں کہ عیاشی اور فضول خرچی کے لئے قرض دینا بعض حالتوں میں ہی خلاف اخلاق ہو بلکہ ایسا کرنا ہر حالت میں ایک قبیح امر ہے میں سمجھتا ہوں کہ سود کی ممانعت کرنے میں قرآن شریف کا ایک یہ منشا بھی تھا کہ تا فضول خرچی کے لئے قرضہ کا ملنا بہت مشکل ہو جائے کیونکہ کسی شخص کو اسکی فضول خرچی میں مدد دینا بھی گناہ ہے علاوہ ازیں یہ بات آسانی سے سمجھ میں آتی ہے کہ جب ہم کسی شخص کو مصیبت میں دیکھتے ہیں تو ہماری ہمدردی اور رحم اسکے لئے جوش میں آتے ہیں اور اسلئے ایسے شخص کو ہم ہر طرح سے جہانتک ہماری طاقت میں ہو مدد دینے کے لئے تیار ہوتے ہیں پس ایک ایسی سوسائٹی میں جہاں سود کی قطعاً ممانعت ہو ایسے شخص کو جو سخت حاجتمند ہو بلا سود قرضہ ملنا مشکل نہیں ہوتا مگر جو شخص فضول خرچی کیلئے قرضہ لیتا ہے اسکو ایسی سوسائٹی میں قرضہ نہیں ملسکتا اور یوں سود کی ممانعت فضول خرچی سے روکنے کا بڑا بھاری ذریعہ ہے پس اگر قرآن شریف کے اصولوں پر عمل کیا جاوے تو حاجتمند کی حاجت براری بھی ہو جاتی ہے اور فضول خرچ فضول خرچی

سے رُکا رہتا ہے اور یوں دونوں کی اس میں بہتری ہے لیکن اگر سود کی اجازت دیجاوے تو دونوں کی حالت بدتر ہو گی مفلس آدمی سود دینے کے قابل نہ ہوگا اور فضول خرچ سودی قرضے لے کر اپنے آپ کو تباہ کریگا پس جیسا غریب اور مفلس کو سود پر قرضہ دینا مضر ہے ایسا ہی دولتمند آدمی کو جو عیاشی اور فضول خرچی کے لئے قرضہ لیتا ہے سود پر قرضہ دینا بھی مضر ہے علاوہ ازیں اسلام صرف سود لینے کو ہی منع نہیں کرتا بلکہ سود دینے کو بھی منع کرتا ہے اور دونوں کو ایک سا ہی بُرا سمجھتا ہے اور اسلئے اور نہیں تو کم از کم ایسا شخص جو دولتمند کو سود پر قرضہ دیتا ہے سود دلانے میں معاون ہوتا ہے۔

دوسری استثنا سید صاحب بنکوں کے سود اور تجارتی سود کے متعلق کرتے ہیں اس قسم کے سود ونکے نقصانات میں اس مضمون کے پہلے حصہ میں بیان کر چکا ہوں سود کی ممانعت تجارت کی ترقی کی مانع ہرگز نہیں ہو سکتی بلکہ اس سے تجارت پبلک کے لئے زیادہ مفید ہو جائیگی باقی رہے بنک سو وہ بجائے روپیہ سودی دینے یا لینے کے اسکو تجارت میں لگا سکتے ہیں اور اسطرح نقصان کی صورت میں سرمایہ داران پر بحصہ رسدی نقصان تقسیم ہوگا اور یہ جو سید صاحب کہتے ہیں کہ سود لیکر بنک بڑی آسانی اور حفاظت سے روپیہ ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا دیتے ہیں سو یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہ سکتا ہے اگر وہ بجائے سود کے کمیشن لے لیا کریں تیسرا استثنیٰ سید صاحب نے گورنمنٹوں کے قرضہ لینے کا بیان کیا ہے بظاہر اس کا یہ پہلو کہ ریلوں کے بنانے یا نہروں کے جاری کرنے کیلئے گورنمنٹ سودی قرضے لیکر مفید کام کر سکتی ہے دلکش معلوم ہوتا ہے لیکن اگر تھوڑا سا غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جو نقصان بنی نوع انسان کو گورنمنٹوں کے سودی قرضہ لینے سے پہنچا ہے وہ بہت بڑا نقصان ہے جسکی تلافی ان چھوٹے چھوٹے کاموں سے جو بغیر سودی قرضہ لینے کے بہتر ہو سکتے ہیں نہیں ہو سکتی سودی قرضے ملجانیکی آسانی کی وجہ سے چھوٹے چھوٹے عذروں پر عظیم الشان اور خطرناک جنگ باہمی اقوام میں ہو رہے ہیں ایک تازہ مثال دیکھ لو کہ نہ جاپان پر روس حملہ آور ہوا اور نہ روس پر جاپان مگر دونوں نے اپنے اپنے گھروں سے نکلکر ایک تیسرے میدان میں وہ خونخوار جنگ کیا جسنے لاکھوں جانوں کا نشان صفحہ ہستی سے مٹا دیا اور علاوہ اسکے دونوں سلطنتیں خود قرضوں کے ایسے بوجھ کے نیچے دب گئیں کہ بیشمار روپیہ سالانہ صرف سود کا ہی ادا کرنا پڑتا ہے اگر دونوں گورنمنٹوں کو سودی قرضے لینے کی آسانی نہ ہوتی تو جنگ روس و جاپان کا وجود بھی نہ ہوتا ایک ایسی گورنمنٹ جو سود پر قرضہ لینے کو بُرا سمجھتی ہے وہ کبھی جنگ اختیار نہیں کر سکتی جبتک کہ کوئی دشمن اسکے ملک اور رعایا پر حملہ آور نہ ہو اور جب ایسی صورت ہو گی تو خود قوم اور ملک ہی ایسے حملے کے خطرات کو سمجھکر ہر طرح سے اپنے بچاؤ کی کوشش کرنیکو تیار ہونگے مگر آجکل کی مہذب اقوام میں گورنمنٹیں قرضوں پر قرضے لیکر انسانوں کے خون بہاتی جاتی ہیں حالانکہ رعایا کے لوگ جنکو اصل نقصان ایسی جنگوں کا برداشت کرنا پڑتا ہے اور ایک ایک دن میں کئی کئی ہزار عورتیں بیوہ اور کئی کئی ہزار بچے یتیم رہ جاتے ہیں ایسی جنگوں کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اگر یورپ کی اقوام کی حالت پر ایک نظر ڈالی جاوے تو وہ دیوانہ وار سامان جنگ اور جنگی جہازوں اور فوجوں کے بڑھانے میں مصروف ہیں قرضوں پر قرضے لئے جاتے ہیں اگر ایک سلطنت نے ۱۸۰۰ ٹن کا جہاز تیار کروایا ہے تو دوسری ۲۰۰۰ ٹن کے جنگی جہاز کے بننے کا حکم دیتی ہے اور انکے دانشمند مدبر ایک لمحہ کے لئے اس بات پر غور کرنیکے لئے نہیں ٹھہرتے کہ آخر اس مقابلہ کا نتیجہ کیا ہے؟ صرف یہی کہ قوم دن بدن قرضے کے بوجھ کے نیچے دبتی چلی جائے

اور ملک کی آمدنی کا ایک بڑا حصہ جو رفاہ عام کے کاموں میں صرف ہو سکتا ہے ان قرضوں کے سود میں دیا جاوے۔ ان باتوں کے ثبوت کے لئے یورپ کی مختلف سلطنتوں کے قومی قرضوں پر ایک نظر ڈال لینا کافی ہے۔ سنہ ۱۹۰۶ء میں سلطنت انگلستان کا قرضہ نو ارب پینتالیس کروڑ روپیہ تھا اور بوئروں کی جنگ نے اسپر دو ارب اڑتیس کروڑ کا اور اضافہ کر کے کل قرضہ گیارہ ارب ۸۳ کروڑ روپے تک پہنچا دیا ہے۔ فرانس کا قرضہ سنہ ۱۹۰۱ء میں سولہ ارب انتیس کروڑ دس کا نو ارب چوراسی کروڑ۔ اسپر موجودہ قرضہ جو جنگ روس و جاپان اور اندرونی فسادوں کی وجہ سے جنگی بنا بھی یہی جنگ ہی کر لینا پڑا اور بڑھا دینا چاہیئے) اطالیہ کا آٹھ ارب اناسی کروڑ، ہسپانیہ کا ساڑھے چھ ارب، آسٹریا کا پانچ ارب سینتیس کروڑ روپیہ تھا۔ بیچارہ روم بھی عیسائی طاقتوں کی مہربانی سے قرضہ لینے پر مجبور ہو گیا اگرچہ بمقابلہ عیسائی طاقتوں کے روم کا قرضہ بہت کم یعنی صرف دو ارب پچپن کروڑ ہے۔ ہندوستان کا قرضہ سنہ ۱۹۰۱ء میں تین ارب پندرہ کروڑ تھا جسکی بڑی وجہ آفریدی جنگ معلوم ہوتی ہے۔ سنہ ۱۸۹۸ء میں کل دنیا کی سلطنتوں کے قرضے اندازاً چھیاسی ارب اڑتالیس کروڑ تھے جن پر گذشتہ پانچ چھ سال میں بوئروں کی جنگ اور جنگ روس و جاپان اور بڑے بڑے جنگی جہازوں کی تیاریوں کی وجہ سے دس پندرہ ارب کی رقم اور بڑھ گئی ہوگی۔ سنہ ۱۸۹۸ء میں جسقدر قرضہ تھا اسپر پانچ ارب روپیہ سالانہ کے قریب سود ادا کرنا پڑتا تھا جو اب اور بھی بڑھ گیا ہے۔ اب غور کرو کہ اگر یہی پانچ ساڑھے پانچ ارب روپیہ سالانہ دنیا کی سلطنتیں بجائے سود میں دینے کے غربا کی مدد اور رفاہ عام کے کاموں میں خرچ کریں تو موجودہ حالت پر کسقدر ترقی ہو سکتی ہے۔ ایک سلطنت انگلستان کو ہی چونتیس کروڑ پچاس لاکھ روپیہ سالانہ بوئروں کی جنگ کے قرضے سے پہلے سود میں دینا پڑتا تھا۔ کون عقلمند کہہ سکتا ہے کہ یہ سود کے فوائد ہیں۔ اگر قرآن شریف کی پرحکمت تعلیم پر دنیا عمل کرتی تو اسکی حالت کسقدر بہتر ہوتی اور پھر یہ سود کی بیشمار رقمیں چند ساہوکاروں کی جیب میں چلی جاتی ہیں۔ اب بھی اگر کوئی شخص اس بات پر اصرار کرتا ہے کہ گورنمنٹوں کو سودی روپیہ لینے سے فائدہ ہوا تو اسکا اختیار ہے کہ تمام واقعات کا انکار کر کے فرضی دل خوش کن باتیں کرے مگر اصل بات یہی ہے کہ سود نے جسقدر دنیا کو تباہ کیا ہے اس تباہی کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ یورپ میں بھی اب بعض سمجھدار آدمی اس بات پر زور دیتے ہیں کہ بجائے جنگ کے سلطنتوں کو صلح کے بڑھانے پر زور دینا اور خرچ کرنا چاہیئے لیکن جبتک سودی قرضہ لینے پر کوئی روک نہ ڈالی جائیگی تب تک امن کا قایم ہونا مشکل ہے اور باہمی صلح کے اگر عہدنامے بھی کئے جائیں تو اس سے بہتر ضمانت جنگ کے رکنے کی اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ سودی قرضوں کے اصول کو دنیا سے نیست و نابود کیا جاوے۔

اس بحث سے یہ ظاہر ہے کہ جو مثالیں سر سید احمد خاں سود کے فوائد کی پیش کرتے ہیں وہ بھی انکی غلطی ہے بلکہ جو نقصان اور مضرات اس قسم کے سود سے پیدا ہوئے ہیں۔ وہ دوسرے نقصانوں سے بہت بڑھکر ہیں پس سید صاحب کی فرضی مستثنیات کی یہ حالت ہے۔ سید صاحب کے علاوہ جن لوگوں نے جواز سود کو ثابت کرنیکی کوششیں کی ہیں انکی بنا دار الحرب اور دار الاسلام میں امتیاز پر رکھی گئی ہے۔ ان الفاظ کے صاف معنے تو صرف یہ ہیں کہ دار الحرب وہ جگہ ہے جہاں جنگ ہوتا ہو اور دار الاسلام اسلام کا ملک ہے لیکن فقہاء اسلام کی قانونی اصطلاح میں یہ تعریف کی گئی ہے۔ المراد بدار الاسلام بلاد یجری فیہا حکم امام المسلمین و یکون

تحت قهره وبدار الحرب بلاد یجری فیها امر عظیمها ویکون تحت قهره۔ اور پھر لکھا ہے دار الاسلام لا تصیر دار الحرب عند ابی حنیفة الا بثلثة اشیاء احدها ان یکون متصلاً بدار الحرب لیس بینهما موضع فی ید اهل الاسلام والثانی ان یجری فیها اهل الحرب احکامهم والثالث ان لا یبقی فیها مسلم او ذمی آمنا با لامان الاول یعنی دار الاسلام وہ ہے جہاں مسلمانوں کے بادشاہ کا حکم جاری ہو اور دار الاسلام دار الحرب تین شرطوں سے ہو جاتی ہے۔ (۱) کہ وہ دار الحرب کے ساتھ ایسی طرح پر پیوست ہو کہ ان دونوں کے درمیان کوئی ایسا موضع نہ ہو جو اہل اسلام کے ہاتھ میں ہو اور (۲) کہ اسمیں اہل حرب اپنے احکام جاری کریں اور (۳) کہ اس میں کوئی مسلم یا ذمی ایسا نہ رہجائے جسکو پہلے کی طرح وہاں امن حاصل ہو اس تعریف سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں غیر اسلامی سلطنتوں میں مسلمانوں کو امن حاصل نہ تھا ایسے دار الحربوں میں کسی شرعی حیلہ پر سود کے جواز کا فتویٰ دیدیا گیا تھا پھر جیسے جیسے اسلامی طاقت بڑھتی گئی دار الحرب سے یہ مراد چھوڑ کر کہ وہاں کی حکومت غیر مسلم مسلمانوں کیساتھ جنگ کرتی ہو یہ مراد لیا جانے لگا کہ یہ تعریف ہر ایک ایسے ملک پر حاوی ہے جو غیر مسلم بادشاہ کے ماتحت ہو میں اس مضمون پر صرف قرآن شریف اور حدیث صحیح سے استدلال کی بنا پر بحث کرونگا۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ قرآن شریف یا صحیح احادیث میں سود کی ممانعت کے بارہ میں دار الحرب اور دار الاسلام میں کوئی امتیاز نہیں پایا جاتا نہ ہی ان دونوں کا نشان خدا کے کلام یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال میں پایا جاتا ہے ہاں اس امر پر کہ کفار کیساتھ مسلمانوں کو کیسا سلوک کرنا چاہیئے قرآن شریف کی مفصلہ ذیل آیات روشنی ڈالتی ہیں لا ینهٰکم الله عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبرّوهم وتقسطوا الیهم ط ان الله یحب المقسطین ۰ انما ینهٰکم الله عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاهروا علی اخراجکم ان تولوهم ج ومن یتولهم فاولئک هم الظٰلمون خدا تمکو اس بات سے منع نہیں کرتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ احسان اور منصفانہ برتاؤ کرو جنہوں نے تم سے تمہارے دین کی خاطر جنگ نہیں کئے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا بلکہ اللہ تو منصفانہ برتاؤ کرنیوالوں سے محبت رکھتا ہے ہاں اللہ تمکو منع فرماتا ہے اس بات سے کہ تم ان لوگوں سے دوستانہ تعلقات رکھو جنہوں نے تمہارے دین کی خاطر تم سے جنگ کئے اور جنہوں نے تمہارے گھروں سے تمکو نکالا اور تمہارے نکلانے میں تمہارے مخالفوں کی مدد کی پس جو شخص ایسے لوگوں سے دوستی رکھیگا تو ایسے لوگ ظلم کرنیوالے ٹھہرینگے (الممتحنہ) یہ اصول جو قرآن شریف نے اس موقع پر بیان کیا ہے نہایت پاکیزہ اصول ہے کیونکہ ایسے دشمنوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنا جو ہلاکت کے درپے ہو رہے ہوں اپنی قوم پر ظلم کرنا ہے ان دو آیتوں سے چند مفید نتائج پیدا ہوتے ہیں اول (اگرچہ اسکو مضمون زیر بحث سے تعلق نہیں) یہ نتیجہ ہے کہ جن لوگوں نے حماقت اور تعصب سے یہ کہا ہے کہ مسلمانوں نے دین کے پھیلانے کیلئے لڑائیاں شروع کی بعض ان آیات میں ان کا جواب ہے کیونکہ یہاں کفار پر یہ الزام دیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو دین اسلام سے روکنے کی خاطر انہوں نے مسلمانوں سے جنگ کئے اب

یہ سورۃ مدینہ کی آخری زمانہ کی سورتوں میں سے ہے پس یہ ایک امرِ واقعہ ہے جسکو آج ہم مخالفین اسلام کے بیجا الزامول کے بالمقابل قطعی جواب کے طور پر پیش کر سکتے ہیں کہ عین اسوقت بھی جب یہ جنگوں کا سلسلہ زوروں پر تھا قرآن شریف نے کفار کو ہی ملزم کیا کہ وہ لوگوں کو دین اسلام سے روکنے کے لئے مسلمانوں سے جنگیں کرتے ہیں اور یہ تاریخی شہادت جو قرآن شریف سے ہمیں ملتی ہے اعلیٰ درجے کی یقینی شہادت ہے دوسرا نتیجہ ان آیات سے یہ نکلتا ہے کہ مسلمانوں کو حکم تھا کہ وہ سوائے ان کفار کے جو انکی بیخکنی کے درپئے تھے محض اختلاف مذہب کیوجہ سے کسی کیساتھ نیکی اور احسان کرنے سے نہ رکیں تیسرا یہ کہ جو کفار مسلمانوں کی بیخکنی کے درپئے ہو رہے تھے ان سے قطعاً کسی قسم کے بھی دوستانہ تعلقات نہ رکھے جاویں چوتھا یہ کہ قرآن شریف اس بات میں کوئی امتیاز نہیں کرتا کہ کوئی ملک مسلمان بادشاہ کے ماتحت ہو یا غیر مسلم بادشاہ کے ماتحت یا بالفاظ دیگر دار الحرب اور دار الاسلام کا فرق کوئی نہیں رکھا بلکہ جو امتیاز قرآن شریف نے بیان فرمایا ہے وہ صرف غیر مسلموں کے ان گروہوں کے درمیان ہے جنمیں سے ایک گروہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کر رہا ہو اور وہ بھی انکے دین کی خاطر اور دوسرا گروہ جنگ نہ کرتا ہو سلوک کے بارے میں ہماری کتاب پاک کی یہ ہدایت ہے کہ پہلے گروہ سے کوئی ایسا معاملہ نہ کیا جائے جسمیں دوستانہ تعلقات پائے جاویں اور چونکہ قرضہ دینا خواہ وہ سود پر ہو یا نہ ہو دوستانہ تعلقات کی قسم میں سے ہے اسلئے اہل حرب کیساتھ ایسا معاملہ کرنے سے قطعاً منع کیا گیا ہے اور غیر مسلموں کے دوسرے گروہ کیساتھ جو جنگ نہیں کرتا کلام الہیٰ میں یہ ہدایت ہے کہ ان سے نیکی اور سلوک کرنے میں کوئی دریغ نہ کرو گویا جیسا مسلمانوں سے نیکی اور سلوک کیا جاتا ہے ایسا ہی ان سے بھی کیا جائے پس ایسے لوگوں کو اگر قرضہ دیکر ان سے سود لیا جائے تو یہ قرآن شریف کی اس ہدایت کی بھی خلاف ورزی ہوگی قرآن شریف نے تیسری کوئی صورت بیان نہیں کی جس سے معلوم ہو کہ ہم غیر مسلموں کے ساتھ دوستانہ تعلقات لین دین کے بھی رکھ سکتے ہیں اور پھر ان سے سود لیکر نیکی اور سلوک کا انکار بھی کر سکتے ہیں۔

ان آیات سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ دار الحرب سے مراد اندریں صرف ایسا ملک ہوگا جسکے ساتھ مسلمانوں کا جنگ ہو رہا ہو لیکن ان لوگوں سے سود لینے کی اجازت میری سمجھ میں نہیں آتی جب قرآن شریف النسی لین دین ہی منع کرتا ہے فقہا نے کس بنا پر غیر مسلم بادشاہ کی غیر مسلم رعایا سے سود لینا جائز رکھا ہے میری سمجھ میں نہیں آیا صرف ایک روایت ہے جس سے اس قسم کا نتیجہ پیدا ہو سکتا ہے مگر یہ روایت اسقدر پایہ اعتبار سے گری ہوئی ہے کہ اسکی بنا پر قرآن شریف کی کھلی کھلی تعلیم کو چھوڑنا سخت غلطی ہے روایت جو پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے یعقوب قال حدثنا بعض المشیخۃ عن مکحول عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لاربا بین المسلم والکافر فی دار الحرب یہ روایت سود کے مجوزوں کی حیرت میں ڈالتی ہے ایک طرف تو اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ جیسے صحابی نے کہا کہ آنحضرتؐ کو ربا کے معنے بتلانے کی مہلت نہیں ملی اور دوسری طرف اسی ربا کے متعلق اس قسم کی روایتیں بیان کی جاتی ہیں جسکے معنے اس روایت کے یہ ہیں کہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ مجھے بعض مشائخ نے مکحول سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دار الحرب میں مسلمان اور غیر مسلم

کے ابین یا حرام نہیں ہے اول تو اس حدیث کے راوی قابل غور ہیں جن کے نام ہی ندارد ہیں بعض مشائخ کون تھے کون نہ تھے انکی روایت کو محدثین نے کیسا سمجھا ہے وہ مکحول کو ملے بھی یا نہیں اس کا فیصلہ کون کرے محدثین کے نزدیک ایسی حدیث قابل استدلال نہیں جسکے راویوں کا ہی پتہ نہیں پھر مکحول تابعی ہیں وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیونکر روایت کر سکتے ہیں کوئی صحابی ہوتا تو پھر بھی یہ حدیث کسی قدر قابل بحث ہوتی پھر قرآن شریف کے مخالف ہے امام شافعی کا فتویٰ اسکی نسبت یہ ہے لیس بثابت ولا حجۃ فیہ دوسری حدیث جسکو جواز سود ثابت کرنیکے لئے پیش کیا جاتا ہے صحیح بخاری کی حدیث ہے جسکے معنی میں پہلے بیان کر چکا ہوں عن عایشۃ رضی اللہ تعالے عنہا لما نزلت اٰخر البقرۃ قرأھن النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیہم فی المسجد ثم حرم التجارۃ فی الخمر مصنف روض الربٰو کا استدلال اس حدیث سے یہ ہے کہ آیت ربا کو خمر کی تجارت کے حرام کرنیسے کوئی تعلق نہ تھا مگر چونکہ ربا مکہ میں دار الحرب ہونیکی وجہ سے جائز تھا اور ایسا ہی خمر کی تجارت بھی اسی وجہ پر مکہ میں جائز تھی اب چونکہ دار الحرب نہ رہا اور ربا منع کیا گیا تو آنحضرتؐ نے خمر کی تجارت . . . .
. . . . کو بھی منع کر دیا کہ اب مکہ دار الحرب نہیں اب ناجائز طریق حصول مال کے یہاں منع ہو گئے ہیں یہ ٹھوکر جو مصنف مذکور نے کھائی ہے اسکی وجہ جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں صرف حدیث کے معنی کی ناواقفیت ہے اور وہ یہ سمجھ نہیں سکا کہ حرمت سود اور حرمت تجارت خمر کو ایک جگہ کیوں بیان کیا حالانکہ پہلے بھی خمر کی تجارت حرام ہو چکی تھی چونکہ خدا تعالیٰ نے سود کو حرام کرتے وقت یہ فرمایا تھا کہ احل اللہ البیع وحرم الربٰوا اسواسطے ممکن تھا کہ لوگ سمجھ لیتے کہ ہر قسم کی تجارت حلال ہو گئی ہے اسلئے آپ نے شراب کی تجارت کو منع فرمایا۔

مگر سب سے زیادہ زور میں اسی بات پر دونگا کہ قرآن شریف نے ممانعت سود کا حکم دیتے وقت یہ نہیں کہا کہ سود لینا بعض جگہ حلال اور بعض جگہ حرام ہے اور نہ ہی دار الحرب اس کلام پاک کی کوئی اصطلاح ہے نہ ہی یہ فرمایا کہ مسلمان بادشاہ تمپر حکمران ہو تو سود نہ لیا کرو اور غیر مسلم بادشاہ حکمران ہو تو سود لے لیا کرو مگر روض الربٰو کا مصنف چار استشہاد قرآن کریم سے پیش کرتا ہے جنپر نظر کرنی ضروری ہے پہلا استشہاد اسکا یہ ہے کہ قرآن کریم کا پاک ارشاد ہے یا ایہا الذین اٰمنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل اسکے بمدارد ہے تال آپسمیں ”وجوہ نامشروعہ“ سے نہ کھاؤ استدلال مصنف کا یہ ہے کہ ”اس آیت کی نظم میں لفظ بینکم صرف اسی لحاظ سے بڑھایا گیا ہے کہ سود قمار اور عقود فاسدہ کی حرمت صرف اسوقت ہیں ہے جب مسلمان دوسرے مسلمان سے معاملہ کر رہا ہو۔ باقی جہد دار الاسلام ہیں جبکہ معاملہ سود یا قمار مسلمان ہندو یا عیسائی کے درمیان ہے تو بسبب مفقود ہونے قید بینکم کے حرمت ثابت نہ ہوگی“ یہاں تو پہلے ہی ہاتھ میں ٹہ لوی صاحب نے نہ صرف سود کو ہندوستان میں جائز کر دیا بلکہ قماربازی کا دروازہ بھی کھولدیا اور وہ ممانعت جو انما الخمر والمیسر من عمل الشیطن فاجتنبوہ لعلکم تفلحون ہیں وارد تھی اسکو بھی ساتھ ہی اڑا دیا مگر اسی پر بس نہیں کی اسکے بعد آپ خوش ہو کر لکھتے ہیں کہ صرف آپ کا ہی یہ مذہب نہیں بلکہ اور لوگ بھی آپکے موید ہیں اور اسکے ثبوت کے لئے تفسیر مظہری کی مندرجہ ذیل عبارت نقل کی ہے آیت موصوفہ کے نیچے وہ لکھتے ہیں ”لا یاکل احد منکم مال غیرہ بین المسلمین ومن تبعہم من اھل الذمۃ ولا باس باکل مال الحربی

الغیر المعاھد من غیر غدر بالباطل۔ ای بوجہ ممنوع شرعا کالغصب والسرقۃ والخیانۃ والقمار والربا والعقود الفاسدۃ"
میں نہیں کہتا کہ یہ قول مصنف روض الربا کے خیال کا جو وہ ہندوستان کے متعلق پیش کرتا ہے مؤید ہے لیکن اس سے مصنف مذکور
یہ فائدہ اٹھاتا ہے کہ بینکم اور بالباطل کی تشریح میں یہ تفسیر اسکی مؤید ہے اب بالباطل کی تشریح کو ناظرین ملاحظہ فرماویں جو یوں کیگئی
ہے کہ "بالباطل سے مراد ہے کسی وجہ سے جو شرعاً منع کی گئی ہو مثلاً زبردستی چھین لینا چوری خیانت قمار بازی سود جھوٹے معاہدے" یہ
حالت ہوگئی ہے ہمارے علماء کی اس تعلیم کے رو سے نہ صرف ہندوستان میں غیر مسلموں سے سود لینا ہی جائز ہے بلکہ انکے ساتھ جوا کھیلنا
زبردستی انکے مال چھین لینا انکی چوری کرلینا خیانت سے انکا مال لے لینا جھوٹے معاہدے ان سے کرکے انکا مال مار لینا غرضیکہ ہر ایک
جرم مال کے متعلق جائز ہوگیا۔ نعوذ باللہ من ھذہ العقاید الفاسدۃ۔ اگر مسلمان جیلخانوں میں یا دہریوں میں ہوں تو پھر ایسی ہی تعلیموں
کی بدولت ہے یہ عقیدے ایسے قابل حقارت اور نفرت انگیز ہیں کہ انکی تردید کرنا بھی انکو عزت دینا ہے میں یہی کہکر مصنف کی اس دلیل کو
چھوڑتا ہوں کہ قرآن شریف ایسے فاسد عقیدوں پر لعنت بھیجتا ہے ہاں یہ بات بیشک دکھ دینے والی ہے کہ ہندوستان کے اندر ایک
ایسی کتاب تصنیف ہو اور علما خاموش رہیں اور اسکی تردید نہ کریں۔

دوسرا استشہاد مصنف روض الربا کا قرآن کریم سے یہ ہے کہ آیت حرمت سود فتح مکہ سے بعد نازل ہوئی گویا جبتک مکہ
دارالاسلام نہیں ہوگیا اسوقت تک سود کا لینا اسمیں جائز رہا اسلئے ہر ایسی جگہ میں جسپر اسکی اصطلاح میں دارالحرب کا لفظ اطلاق
پا سکے مصنف کے نزدیک سود کا لے لینا اسمیں جائز ہے اول تو اس دلیل میں بہت سی غلط بیانیاں ہیں سورہ بقر کی آخری آیات
سے پہلے سود کی حرمت کے متعلق اور آیات بھی نازل ہوچکی تھیں جن میں یہ نہیں لکھا تھا کہ دارالاسلام میں سود منع کیا جاتا ہے بلکہ
وہاں بھی عام حکم سود کی حرمت کا ہے یہ آیات پہلے نقل کرچکا ہوں اور اسلئے انکا اعادہ اس جگہ ضروری نہیں ہاں سورہ بقر کی آیات متعلقہ
سود میں ایک زائد حکم بھی موجود ہے یعنی یہ کہ ذروا ما بقی من الربوا جسکے صاف معنے یہ ہیں کہ جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو قرآن شریف
کے احکام تدریجاً نازل ہوئے ہیں پس جب اول اول سود کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو اسوقت سے کوئی سودی معاہدہ کرنا منع سمجھا گیا
مگر اس آیت کے الفاظ سے ایسا معلوم ہوتا ہے اور ایک روایت بھی ایسی ہے کہ حرمت کے حکم سے پہلے جو سود واجب الادا تھا اسکا
مطالبہ بعض لوگ کرتے رہے سو انکو حکم ہوا کہ جو سود تمہارا پہلے واجب الادا ہوچکا تھا اسکو بھی چھوڑ دو اور صرف اپنا راس المال واپس لو
پھر دوسری بات غور طلب یہ ہے کہ اگر اس حکم کی علت یہ ہوتی کہ اب مکہ دارالحرب نہیں رہا تو چاہیے تھا کہ فتح مکہ کیساتھ ہی سورہ بقر کی
آیات نازل ہوتیں حالانکہ انکا نزول بالاتفاق اخیر زمانہ نبوت میں ہے بلکہ انکو آخری وحی قرار دیا گیا ہے اور فتح مکہ کے بعد بہت سا حصہ قرآن شریف
کا نازل ہوا سو معلوم ہوا کہ یہ کوئی اس حکم کی علت نہ تھی علاوہ ازیں میں کہتا ہوں کہ کسی حکم کے کسی وقت دئے جانے سے یہ نتیجہ نکالنا کہ
اس حکم کے نزول سے پہلے جو حالات تھے انکے ماتحت اس حکم کی خلاف ورزی اب بھی جائز ہے محض جہالت ہے جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں نزول
احکام تدریجی تھا پس اس طرح سے تو کل کے کل احکام کی خلاف ورزی کی جاسکتی ہے مثلاً جسقدر احکام فتح مکہ کے بعد نازل ہوئے۔ تو
اسوقت چونکہ دارالحرب نہیں رہا اسلئے یہ سمجھ لیا جائے کہ ہندوستان میں جو بزعم مصنف دارالحرب ہے ان تمام احکام کی خلاف ورزی جائز ہے

یا مثلاً چونکہ شراب اور قمار مدینہ میں آکر حرام کئے گئے یعنی بعد ہجرت اسواسطے یہ نتیجہ نکال لیا جائے کہ اگر مسلمانوں کو اپنے مخالفین کی طرف سے کسی قسم کا دکھ اور تکلیف پہنچ رہی ہو جیسا کہ مکہ میں قبل از ہجرت پہنچتی تھی تو مسلمان شراب بھی پی لیا کریں اور قماربازی بھی کر لیا کریں یا چونکہ مدینہ دارالاسلام تھا اور مکہ دارالحرب اسلئے ہر دارالحرب میں جس میں ہندوستان بھی شامل ہے مسلمانوں کو شراب پی لینا منع نہیں تعجب ہے کہ ایک سود کے جواز کے لئے کیسی کیسی فاسد عقیدوں کی تعلیم دیجاتی ہے۔

مصنف مذکور وذروا ما بقی من الربوٰا کے شان نزول کے متعلق متضاد اور مختلف روایات سے بھی دلیل پکڑتا ہے شان نزول ہمیشہ ہمارے مفسرین کو یہ موقع دیتا رہا ہے کہ بلاضرورت قصے تفسیروں میں درج کئے جاویں اب کوئی شان نزول ان آیات کا یہ بیان کرتا ہے کہ مکہ والوں کے حق میں نازل ہوئی ہیں جو کفر کی حالت میں سود لیتے تھے کوئی ثقیف کے قبیلے کے بعض لوگوں کا نام لیتا ہے کوئی حضرت عباس اور خالد کا نام لیتا ہے مگر سوال یہ نہیں کہ کس کے بارہ میں یہ آیات نازل ہوئیں بلکہ انکے صاف معنے کیا ہیں اور جو حکم ان آیات میں دیا گیا ہے وہ کیا ہے ان آیات میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ چونکہ اب مکہ دارالحرب نہیں رہا اسلئے سود منع کیا جاتا ہے بلکہ تمام مسلمانوں کے لئے جو دنیا کے کسی گوشہ میں ہوں یہ ایک عام حکم ہے کہ وہ سود نہ کھائیں خواہ سود دینے والا کوئی ہو جن باتوں کو قرآن شریف نے مضر سمجھکر انسے روکا ہے وہ بہرحال برائیاں ہی ہیں خواہ مسلمان کے متعلق انکا ارتکاب ہو اور خواہ غیر مسلم کے غیر مسلم کا مال چرانا ایسا ہی جرم ہے جیسا مسلمان کا علی ہذا القیاس غیر مسلم سے سود لینا ایسا ہی برا ہے۔

جیسا مسلمان سے یہ قرآن شریف کے کھلے کھلے احکام ہیں اپنی طرف سے انمیں تخصیص اور قید لگانا صحیح نہیں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں حرمۃ مال الانسان کحرمۃ دمہ یعنی انسان کے مال کی حرمت اسکے خون کی حرمت کی طرح ہے یہاں مومن نہیں فرمایا بلکہ انسان فرمایا اب جسطرح غیر مسلم کا خون بہانا جائز نہیں خواہ وہ مسلم بادشاہ کے ماتحت ہو خواہ غیر مسلم کے اسی طرح اس کا مال کسی ایسے طریق سے لینا جسکو قرآن شریف نے ناجائز قرار دیا ہے جائز نہیں اور سود ان ناجائز طریقوں میں سے ایک طریق ہے۔

تیسری دلیل مصنف روض الربٰو کی ایسی ہی لغو ہے قرآن شریف فرماتا ہے کہ یہودیوں کو بھی ہم نے ربا لینے سے منع کیا تھا مگر انہوں نے اس حکم کی خلاف ورزی کی اب مصنف کا استدلال یہ ہے کہ چونکہ یہودیوں کو ربا نہ لینے کا حکم بھی خدا کی طرف سے ہی تھا اسلئے مسلمانوں کو جو حکم دیا گیا ہے اسے ہم توریت کے حکم پر قیاس کرسکتے ہیں مگر توریت میں ربا کے بارہ میں یہ صریح حکم پایا جاتا ہے کہ یہودی اپنے بھائیوں سے ربا نہ لیں اور دوسری قوموں سے لے لیں میں کہتا ہوں کہ توریت کے حکموں پر قرآن شریف کے احکام کو بلا وجہ قیاس کرنا سخت غلطی ہے شریعت موسوی صرف ایک قوم کے لئے تھی یعنی یہود کے لئے اور اسلامی شریعت کی طرح اسکا دائرہ وسیع نہ تھا اسلئے اسمیں احکام بھی ایسے تھے جو یہودیوں سے مخصوص تھے مگر قرآن شریف دنیا کی کل قوموں کے لئے آیا اسلئے اسکے احکام میں بھی عمومیت پائی جاتی ہے علاوہ ازیں قرآن شریف پہلی شرائع کا ناسخ ہے جب ایک عام حکم قرآن شریف میں پایا جاتا ہے تو ہم اسکو توریت کی بنا پر مخصوص نہیں کرینگے بلکہ یہ کہیں گے کہ توریت کے مخصوص حکم کو قرآن شریف نے منسوخ کرکے عام حکم دیا ہے یہ مذہب اہل اسلام کا قرآن شریف اور توریت کے بارے میں ہے اگر خدائے تعالیٰ کا منشاء قرآن شریف کے حکم کو ایک قوم تک

مخصوص رکھنے کا ہوتا تو جس طرح توریت کے حکم میں تخصیص کردی گئی ہے قرآن شریف کے حکم میں بھی تخصیص کردی جاتی۔

مصنف بروشن آلرپلی کا جو تھا استشہاد قرآن شریف سے کسی قدر تفصیل کو چاہتا ہے ہجرت سے پانچ چھ سال پہلے جب مسلمان مکہ میں کفار کے پاؤں تلے روندے جارہے تھے روم اور ایران میں بھی جنگوں کا سلسلہ شروع تھا اور ایرانی آتش پرست رومی عیسائیوں پر غالب آکر انکے اندرون ملک تک پہنچ چکے تھے یہاں تک کہ یروشلم کو فتح کرکے اب سلطنت کو نیست و نابود کرنیوالے تھے ایران کا بادشاہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی برا ارادہ رکھتا تھا جس کا ثبوت اسکی بعد کی کارروائیوں سے ملتا ہے رومیوں اور مسلمانوں کی اس مغلوبیت کیوقت جب دونوں کے دشمن اپنی طرف سے انکو نیست و نابود کرچکے تھے اللہ تعالی نے اپنے پیغمبر پر قرآن شریف میں یہ غیب کی خبر ظاہر فرمائی الٓمٓ ۰ غلبت الروم ۰ فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون ۰ فی بضع سنین ۰ للہ الامر من قبل ومن بعد ۰ ویومئذ یفرح المؤمنون ۰ بنصر اللہ ۰ ینصر من یشاء ۰ وھو العزیز الرحیم ۰ وعد اللہ ۰ لا یخلف اللہ وعدہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون ۰ الٓمٓ (میں ہوں خدا غیب کے جاننے والا) قریب کے ملک میں رومی مغلوب ہوگئے ہیں لیکن وہ مغلوب ہونیکے بعد چند سال میں (اہل فارس پر) غالب آجائینگے پہلے اور بعد اللہ کے ہی ہاتھ میں اختیار ہے اور وہ دن (رومیوں کے غالب آنیکا) ایسا ہوگا کہ مومن بھی اسدن اللہ کی مدد سے خوش ہوجائینگے وہ جسکی چاہتا ہے مدد کرتا ہے وہ بڑا زبردست اور رحم والا ہے یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کیا کرتا لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔ میرا جی چاہتا تھا کہ اس عظیم الشان پیشگوئی پر بسط کے ساتھ لکھوں لیکن موجودہ مضمون اجازت نہیں دیتا انشاء اللہ کسی دوسرے وقت میں میں دکھاؤں گا کہ اس پیشگوئی نے ہستی باریتعالی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا کیسا بین ثبوت دیا ہے جسوقت یہ پیشگوئی کیگئی اسوقت ایرانیوں کا ہاتھ غالب تھا اور رومی شکست پر شکست کھا کر اپنے ملک کو چھوڑ رہے جا رہے تھے ادھر مسلمان کفار کے ہاتھ سے سخت ایذائیں اٹھا رہے تھے اور کفار انکی بیخکنی کے درپے تھے جب یہ پیشگوئی ایک طرف نصاریٰ نے روم کی فتح کی اور دوسری طرف عین اسی وقت میں مسلمانوں کی کفار پر فتح کی کی گئی تو کفار نے ہنسی کی کہ بھلا یہ بات بھی کبھی ہونیوالی ہے چنانچہ اسی وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ابی کیساتھ ایکسو اونٹ کی شرط لگائی کہ اگر پیشگوئی سچی نکلی تو ابی سو اونٹ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دے اور اگر جھوٹی نکلی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سو اونٹ ابی کو دیں چنانچہ اس پیشگوئی کے شائع ہونیکے پانچ چھ سال بعد ہجرت کے قریب قریب ایرانی اور رومی جنگ میں فتوحات کا رخ الٹ گیا یہانتک کہ ایرانی پسپا ہوتے ہوتے ملک شام سے نکل آئے اور آخر ۶۲۳ء میں رومی فوجیں ایران میں آگھسیں جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہے ادھر عین اسی سال میں بدر کا عظیم الشان جنگ ہوا جسکا نام قرآن شریف نے فرقان رکھا ہے جس میں کفار کو باوجود کثرت تعداد کے سخت شکست ہوئی غرضیکہ ادھر سے رومی ایرانیوں پر غالب آئے اور ادھر سے مسلمان کفار پر غالب آئے اور خدا کا وعدہ سچا ہوا اور دوہری پیشگوئی جس طرح کی گئی تھی اسی طرح پوری ہوئی یہ ہجرت کے دوسرے سال کا واقعہ ہے جب یہ نشان الٰہی پورا ہوا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ابی کے ورثاء سے سو اونٹ کا مطالبہ کیا اور قربانی کرکے گوشت مساکین کو کھلا دیا یہ خدائے تعالی کے عظیم الشان نشان

کے پورا ہونے کی یادگار تھی اب مصنف روض الربیٰ کا استدلال سنئیے وہ کہتا ہے کہ اس میں شک نہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے نا ہجرت سے پہلے اور اس لئے حرمت قمار کے حکم سے پہلے تھا مگر اس کے نزدیک یہ پیشگوئی صلح حدیبیہ کے وقت پوری ہوئی اور اس وقت قمار منع ہو چکا تھا پس جایز نہ تھا کہ حضرت ابوبکرؓ سو اونٹ لیتے گر اس امر سے کہ انہوں نے سو اونٹ لیا یہ شہادت ملتی ہے کہ قمار مدینہ میں جو دارالاسلام تھا منع ہو چکا تھا گر چونکہ یہ شرط مکہ کے ایک کافر کیساتھ بدی گئی تھی اور مکہ دارالحرب تھا اسواسطے مال قمار کو لینا جایز سمجھا گیا اور پھر اس سے یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ جس طرح دارالحرب میں قمار جایز رکھا گیا اسی طرح سود کا لینا بھی دارالحرب میں جایز ہے اس استدلال کی ساری عمارت کی بنیاد تاریخ سے ناواقفیت پر ہے رومیوں کا غلبہ ۲۲ ہجری میں ہو چکا تھا اور یہی سال مسلمانوں کے اس غلبہ کا تھا جس کا نام خدا تعالیٰ نے یوم الفرقان رکھا ہے اور اس سال رومی فوجیں ایران کے وسط تک جا پہنچی تھیں اب مصنف کے اپنے اقرار کے مطابق حرمت قمار کا حکم تیسرے یا چوتھے یا چھٹے سال ہجرت میں ہوا لیکن پیشگوئی دوسرے سال ہجرت میں پوری ہو چکی تھی اور اس لئے اسی سال میں حضرت ابوبکرؓ نے اپنی شرط بھی پوری کر دی پس نہ قمار دارالحرب میں درست ہوا نہ سود علاوہ ازیں حضرت ابوبکرؓ نے ان اونٹوں کو اپنے قبضہ میں نہیں رکھا بلکہ خدا کی راہ میں دیدیئے کیونکہ یہ خدا کے دین کے غلبہ کا نشان تھا اور اس سے اسلام کی عظمت ظاہر ہوتی تھی۔ یہ بعینہٖ اسی کے مطابق ہے۔ جو حضرت مرزا غلام احمد صاحب بانی سلسلہ احمدیہ نے اس بات کو جایز رکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنا روپیہ بنک میں رکھنے کے لئے مجبور ہو تو اسکے سود کا روپیہ دین اسلام کی اشاعت اور اسکی عظمت ظاہر کرنے میں صرف ہو سکتا ہے اس سے جواز سود نہیں پایا جاتا بلکہ ایک مجبوری کی حالت ہے کیونکہ اس روپے کو دین حق کی تائید میں صرف نہ کیا جاوے گا تو وہ باطل کی تائید میں صرف ہو گا۔

جسقدر کوششیں زمانہ میں جواز سود کے لئے کی گئی ہیں وہ انہی دو کے جن کی میں تردید کر چکا ہوں نیچے آتی ہیں اصل بات یہ ہے کہ قرآن کریم کے احکام مصلحت اور حکمت پر مبنی ہیں قرآن شریف ہمیں ہرگز یہ تعلیم نہیں دیتا کہ ہم غیر مذاہب کیساتھ ایسی تنگدلی برتیں کہ انکو ہم سے کوئی فائدہ پہنچ سکے سود کی ممانعت سے غرض یہ ہے کہ تا دائرۂ انسانی ہمدردی کا وسیع ہو اور روپیہ ایسے طور پر تقسیم ہوا ہے کہ غربا کی غربت اور دولتمندوں کی دولتمندی بڑھتی نہ جاوے اب اگر غیر مسلموں سے سود لینا جایز رکھا جاوے تو ظاہر ہے کہ یہ اغراض کبھی پورے نہیں ہو سکتے بلکہ معلوم ہوا کہ سود کے جایز رکھنے میں پھر یہ دقت پیش آئیگی کہ مصنف روض الربیٰ کی طرح یہ ماننا پڑے گا کہ ہند میں قمار بازی سرقہ غصب خیانت وغیرہ غیر مسلموں کی جایز ہے یہ سخت درجہ کی تنگدلی ہے جس سے اسلام بیزار ہے اسلام سود لینے اور دینے دونوں سے یکساں منع کرتا ہے خواہ غیر مسلم کو دیا یا اس سے لیا جائے لیکن ساتھ ہی اس کے اسلام دوسرے پہلو کو بھی فراموش نہیں کرتا جو شخص ہم سے نیکی کرے ہمیں بھی اس سے نیکی کرنی چاہیے اب سوال یہ ہے کہ جو شخص ہمیں بلا سود قرضہ دے کر ہم سے نیکی کرتا ہے ہم اس سے کیا نیکی کر سکتے ہیں اسکے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے ہمیں تعلیم دی ہے کہ جس شخص نے آپ کو قرضہ دیا آپ نے واپس دیتے وقت اسے ساتھ کچھ

اور کبھی دیدیا جو بعض اوقات اصل سے دُگنا تگنا تھا اب یہ فراخ دلی اور عالی حوصلگی سود خور کے دل میں نہیں آسکتی وہ اگر بحالت مجبوری کسی سے بلا سود قرضہ لے اور اسے مل سکے تو وہ گوارا نہیں کرے گا کہ جب شرط نہیں ہے تو ایک پیسہ بھی اسے سانھ دے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نمونہ پر مسلمانوں نے چل کر دکھایا ہے۔ اور آج تک اس کی نظیریں ان کے اندر پائی جاتی ہیں یہ سود نہیں کیونکہ اس میں اقرار کچھ نہیں صرف ھل جزاء الاحسان الا الاحسان کی تعمیل میں ایک آدمی اپنے قرضہ دینے والے کیساتھ نیکی کرتا ہے ہاں سود کی حالت میں جو نقصانات تھے اس حالت میں وہ نہ ہونگے کیونکہ اگر قرضہ لینے والے نے فائدہ اُٹھایا ہے تو وہ قرضہ کو مع شئے زاید واپس کریگا اور اگر نقصان اُٹھایا ہے تو نہیں پس یہ صورت ایسی ہے کہ تمام نقصانوں سے بری اور فراخ حوصلگی اور عالی ہمتی اور وسیع ہمدردی انسانی کا ثبوت ہے۔

اب میں صرف ایک سوال کا اور جواب دیکر اس مضمون کو بالفعل ختم کرتا ہوں یہ سوال کیا جاسکتا ہے۔ کہ جب قرآن شریف نے روپیہ کو بڑھانے کا یہ طریق یعنی سودی روپیہ دینا بند کردیا ہے تو پھر اسکی بجائے کونسا عمدہ طریق بتایا ہے اسکا جواب اسی آیت میں دیا گیا ہے جس میں ربا حرام کیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ واحل اللہ البیع وحرم الربٰوا یعنی ربا کو حرام کرکے خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے تجارت کی راہ کھولدی ہے اور وہ اپنے مال اور سرمایہ کو تجارت میں لگائیں یہ تجارت کا سلسلہ جیساکہ میں مضمون کے حصہ اول میں ثابت کر چکا ہوں سود والے تمام نقصانوں سے بری ہے اور یہی قومی اور ملکی ترقی کا گُر ہے افسوس کہ جسقدر کوشش مسلمانوں کو سود لینے کی ترغیب دینے میں کی جاتی ہے اگر وہی کوشش انکو تجارت کی ترغیب دینے میں کی جائے تو یہ افلاس جو مسلمانوں پر غالب آیا ہوا ہے دور ہو جائے قرآن شریف کا یہ حکم احل اللہ البیع وحرم الربٰوا حکمت سے خالی نہیں ورنہ ایک ہی جگہ دونوں باتوں کا ذکر کرنیسے کیا منشاء تھا یہ کلام پاک ہمیں سمجھاتا ہے کہ تمہاری دینی اور دنیوی بہتری اور تمہاری اخلاقی اور روحانی ترقی حرمت ربا اور حلت بیع سے وابستہ ہے سو جو ان احکام پر عمل کریگا وہ بیشک فلاح پائیگا۔ یہی راہ قوم کی ترقی کی ہے اخیر میں میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے افلاس کی وجہ یہ نہیں کہ انہوں نے قرآن شریف کے احکام کی خلاف ورزی کی بیہودہ رسموں میں پڑکر فضول خرچ ہوگئے اور پھر ان فضول خرچیوں کے لئے جب بلا سود قرضے نہ ملے تو قرآن شریف کے حکم کے خلاف سودی قرضے لئے اور آخر اس سود کے نیچے تباہ ہوگئے یہ بات صرف زمیندار قوموں پر ہی صادق نہیں آتی بلکہ اکثر حصہ اہل اسلام کے افلاس کا یہی موجب ہے کہ وہ قرآن شریف کی سچی تعلیم سے دور جا پڑے اگر وہ اس تعلیم پر چلنے والے ہوتے تو ضرور ہی نتائج پاتے جو قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے پائے۔

اسلام (نمبر ۹ بجواب پادری سیل)

ہجرت سے آنحضرت کی صداقت پر شہادت

مینے ہجرت کے مضمون کے شروع میں ہی لکھا تھا کہ ابتدا سے مسلمانوں نے اس واقعہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے واقعات میں ایک نہایت عظیم الشان اور اہم واقعہ سمجھا ہے اس حصہ میں اس اہمیت کے وجوہات بیان کرنے کی کوشش کرونگا گذشتہ مضمون اس موقع پر ختم ہوا تھا جہاں کفار قریش میں سے ان لوگوں نے جو آپ کے قتل کے لئے معین کئے گئے تھے آپ کے گھر کو آگھیرا تھا عین اسوقت آپ کو خدا کی طرف سے حکم ہوا کہ اب اس شہر کو چھوڑ دو اسمیں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے جیسا کہ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مکہ والوں کو ڈھیل دیتا رہا کہ وہ توبہ کریں مگر وہ شرارتوں میں ترقی کرتے گئے یہانتک کہ تمام قوموں نے ملکر اب یہ آخری اور پکا منصوبہ آپکے قتل کا کیا آنحضرت کا مکہ کو چھوڑنا گویا اس بات کی علامت تھی کہ وعید الٰہی نیز آجائے اور آپ کی وہاں موجودگی نے ہی ابتک انکو عذاب الٰہی سے بچا رکھا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم مگر اب اس آخری منصوبے سے انکی شرارتوں کا پیالہ بھر چکا تھا پس ہجرت کا حکم دیکر اللہ تعالیٰ نے یہ سمجھا دیا کہ اب عذاب الٰہی جلد ان لوگوں پر آجاویگا مجھے اسباب کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ کیونکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اتنے دشمنوں کے درمیان سے جو آپ کے خون کے پیاسے تلواریں ہاتھوں میں لئے انتظار کر رہے تھے صحیح سلامت نکل گئے خواہ کسی طرح سے بھی نکلے ہوں اسمیں کوئی شک نہیں کہ یہ ایک کھلا کھلا معجزہ تھا نہ ہی یہ ضروری ہے کہ اس مضمون کی اغراض کے لئے میں آپ کے سفر مدینہ کے حالات کو لکھوں قرآن شریف نے ایک موقع پر جہاں بعض کمزور دلوں کو تنبیہ کی ہے اس ہجرت کے واقعہ کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذ ھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا (التوبہ۔ رکوع ۵) اگر تم ہمارے رسول کی مدد نہ کروگے تو خدا تمہاری مدد کا محتاج نہیں اسنے اسوقت بھی اپنے رسول کی مدد کی جب کافروں نے مکہ سے اسکو بے سروسامانی کی حالت میں نکالدیا اور صرف ایک اور آدمی ساتھ تھا جب وہ دونوں غار میں تھے تو رسول نے اپنے ساتھی کے حزن کو دیکھ کر فرمایا کہ کچھ رنج و فکر نہ کرو یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے اب مقام غور ہے کہ نہ کوئی ساتھ ہے نہ بھاگنے کا سامان ہے دشمن سر پر کھڑے ہیں اور ابوبکرؓ جیسا مستقل مزاج آدمی حیران ہے کہ اب کیا حال ہے مگر آنحضرت کا خدا پر بھروسہ کیسا عجیب ہے کہ اسوقت کس قوت سے فرماتے ہیں کہ فکر کی کوئی بات نہیں کیونکہ خدا ہمارے ساتھ ہے اور کسی کو طاقت نہیں کہ جب اسکا ارادہ ہمکو بچانے کا ہو چکا ہے تو کوئی ہمپر قابو پاسکے پس اگرچہ ظاہر اسباب کی رعایت سے آنحضرت غار میں چھپے ہوئے تھے مگر آپ کے یہ الفاظ کس صفائی سے ثابت کر رہے ہیں کہ آپ کو کسی دنیا کے اسباب پر بھروسہ نہ تھا بلکہ سارا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہی تھا آپنے یہ نہیں فرمایا کہ ہم پر نظر نہیں پڑسکتی کیونکہ ہم انکی نظروں سے چھپے ہوئے ہیں بلکہ یہی یہ ہے

کہ اسوقت اندر سے وہ کفار کو پھرتے دیکھ رہے تھے بلکہ یہی کہا کہ کچھ پرواہ نہیں اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے پس جیسا خدا پر آپ کو حیرت انگیز بھروسہ تھا ایسا ہی خدا نے حیرت انگیز طریق سے آپ کو اسقدر دشمنوں میں سے صحیح سلامت نکال کر مدینہ پہنچا دیا۔

مگر یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ صرف یہ چند واقعات ہی آپ کے صحابہ کے لئے آپ کے منجانب اللہ ہونیکی دلیل تھے کہ کسطرح آپ تنہا اپنے دشمنوں کے درمیان جو آپ کے خون کے پیاسے تھے حفاظت الٰہی کے نیچے مکہ میں اکیلے رہے یا کس طرح قاتلوں کے گروہ کے درمیان میں سے جو تلواریں لئے کھڑے تھے کہ آپ کا کام تمام کریں آپ صفائی سے گذر گئے یا کیونکر غار ثور میں آپ انکی نظروں سے غائب رہے حالانکہ وہ سامنے کھڑے تھے بلکہ وہ ہر ایک امر میں خدا کا ہاتھ آپکی تائید میں کام کرتا ہوا دیکھتے تھے اور الٰہی حفاظت کو آپ کے شامل حال پاتے تھے اس بات نے انکے دلوں کو سچے یقین سے بھر دیا تھا کہ بیشک آپ خدا کی طرف سے آئے ہیں وہ دیکھتے تھے کہ جسطرح دشمن دن رات آپ کے خلاف منصوبے کرتے ہیں مگر ہر بار ناکام اور نامراد ہوتے ہیں نہ صرف یہی بلکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کسطرح انکو للکار کر کہتے تھے کہ جسقدر منصوبے میرے برخلاف اور میری ہلاکت کیلئے کر سکتے ہو کر لو مگر تم میرا کچھ بگاڑ نہیں سکتے اور نہ اس سلسلہ کو نیست و نابود کر سکتے ہو حضرت نوحؑ کے وہ الفاظ جنمیں وہ اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہیں قرآن شریف میں ان کا خطاب قریش ہی کی طرف تھا یٰقوم ان کان کبر علیکم مقامی وتذکیری بایٰت اللہ فعلی اللہ توکلت فاجمعوا امرکم وشرکاءکم ثم لا یکن امرکم علیکم غمة ثم اقضوا الی ولا تنظرون (یونس - ۱۷) ای میری قوم اگر میرا رہنا اور خدا کی آیتوں کیساتھ نصیحت کرنا تمپر گراں گذرتا ہے تو مجھے اسکی کیا پرواہ ہے میرا توکل تو اللہ پر ہی ہے پس تم اور تمہاری شریک سب اکٹھے ہو کر ایک بات ٹھہرا لو پھر تمہاری وہ تدبیر تمپر تاریک نہ ہو بلکہ پورا زور اس میں صرف کرو پھر جو کچھ تم کرنا چاہتے ہو میرے ساتھ کر گذرو۔ اور مجھے ایکدم کی بھی مہلت نہ دو ایسا ہی سورۃ اعراف کے اخیر پر فرمایا قل ادعوا شرکاءکم ثم کیدون فلا تنظرون۔ یعنی اپنے شرکاء کو بلا لو پھر تم ملکر تدبیریں کر لو اور مجھے کوئی بھی مہلت نہ دو پھر انکو سمجھایا گیا کہ کس طرح پہلے مخالفین انبیاء نے طرح طرح کی تدبیریں اپنے زمانہ کے نبیوں کو ہلاک کرنیکے لئے کیں مگر ان کی تدبیریں الٹی انہیں پر پڑیں قد مکر الذین من قبلھم فاتی اللہ بنیانھم من القواعد فخر علیھم السقف من فوقھم واتٰھم العذاب من حیث لا یشعرون (النحل) ان سے پہلے بھی بدبخت لوگوں نے انبیاء کی ہلاکت کی تدبیریں کیں جو خدا نے انکے منصوبوں کی عمارت کی بنیاد کو جڑھ سے اکھیڑ ڈالا اور انہی پر چھت گر پڑی اور عذاب نے انکو اس راہ سے آ پکڑا جدھر سے انکو خبر بھی نہ تھی یعنی وہی منصوبے جنپر انکا سارا دارومدار تھا انہی کی اپنی ہلاکت کا باعث ہو گئے ایسا ہی دوسرے مقامات پر اسی قسم کی آیات بکثرت پائی جاتی ہیں وقد مکروا مکرھم وعند اللہ مکرھم وان کان مکرھم لتزول منہ الجبال (ابراہیم) اور انھم یکیدون کیدا واکید کیدا فمھل الکفرین امھلھم رویدا۔ اب یہ

تمام آیات جو مکہ میں نازل ہوئیں جسوقت نازل ہوئیں تھیں اسی وقت مسلمانوں اور کافروں کے درمیان مشتہر ہو جاتی تھیں پس کفار دن رات اپنی سازشوں اور تدبیروں میں لگے رہتے تھے یہ تمام منصوبے اسوقت اپنے انتہائی نقطہ پہنچے جب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کرنی پڑی اور اسی لئے ان سب منصوبوں کے خاک میں ملنے کی پیشگوئی اپنے پورے کمال کیساتھ اسی وقت پوری ہوئی یہی وہ وقت تھا جب شہر کے تمام بڑے بڑے لوگوں نے جمع ہوکر آخری منصوبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہلاک کرنے کا کیا اور پورا زور لگایا کہ اس دفعہ آنحضرت صلعم انکے ہاتھوں سے بچکر نہ نکل جائیں مگر اس آخری موقع پر اللہ تعالیٰ نے ایک عجیب معجزہ سے اپنے نبی کو بچا کر نکال لیا اور انکے منصوبے اور کوششیں سب مٹی میں مل گئیں۔

ایک طالب حق کو چاہیے کہ وہ اس مقام پر غور کرے کہ یہ پیشگوئیاں کیسے وقت میں کی گئیں اور پھر کس طرح ان کو پورا کرکے اللہ تعالیٰ نے اپنا چہرہ دنیا کو دکھایا اس سے ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر وہ عظیم الشان دلیل ملتی ہے جسکو کوئی حملہ توڑ نہیں سکتا آیندہ کے ایسے مخفی راز جو واقعات موجودہ کے بالکل خلاف تھے کون انکو جان سکتا تھا سوائے ایک عالم الغیب ہستی کے اور ایک اکیلے اور بیکس انسان کے خلاف تمام قوم کے منصوبوں کو کون خاک میں ملا سکتا تھا سوائے ایک مقتدر اور طاقتور ہستی کے جو تمام انسانی طاقتوں سے بڑھکر ہو مکہ میں جن تکلیفوں اور مصیبتوں کا نشانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بن رہے تھے اور جسقدر آپ کو ہلاک کرنے کی کوششیں کیجارہی تھیں انکو دیکھکر کوئی شخص دور اندیشی سے کام لیکر ایسی پیشگوئیاں ہرگز منہ سے نہ نکال سکتا تھا مگر جسقدر بظاہر ناکامیابیاں بڑھتی جاتی تھیں اسی قدر زیادہ زور سے قرآن شریف بار بار ان پیشگوئیوں کا اظہار فرماتا تھا کہ کافروں کا کوئی منصوبہ کام نہیں آئیگا اور انکو یہ چیلنج کرتا تھا کہ جس قدر انکی طاقت ہے وہ نبی کریم کے ہلاک کرنے کے لئے اپنا زور لگالیں مگر آنحضرت ضرور ضرور غالب ہوکر رہینگے اب کوئی شخص انصاف سے بتاوے کہ کسکا علم ان غیب کی باتوں کو اتنے سال پہلے بتا سکتا تھا اور کس کی طاقت تمام ملک اور قوم کی متفقہ کوششوں اور منصوبوں کو خاک میں ملا سکتی تھی میں تمام منکران نبوت محمدیہ کو دعوے سے کہتا ہوں کہ وہ آنحضرت صلعم کو نعوذ باللہ مفتری کہتے ہیں مگر وہ کسی سچے نبی کی زندگی میں بھی ان پیشگوئیوں کی نظیر پیش نہیں کرسکتے مگر ایسا وہ کیوں کرتے ہیں اسلئے کہ مذہب کو انہوں نے ایک رسم بنا رکھا ہے اور اس سے انکو کچھ غرض نہیں کہ انکے مذہب انکو خدا کی ہستی کا کونسا نشان دیتے ہیں۔

ہجرت کے متعلق ایک اس سے بھی زیادہ ضروری پہلو ابھی باقی ہے ہجرت کی پیشگوئیاں کثرت کی سورتوں میں پائی جاتی ہیں جو نہ صرف یہی ظاہر کرتی ہیں کہ مکہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کرنی پڑے گی بلکہ ساتھ ہی یہ بھی بتاتی ہیں کہ آپ پھر کامیابی اور فتح کیساتھ اسی شہر میں واپس آئینگے پادری سیل نے کسی علم کی بنا پر نہیں بلکہ محض اپنی جہالت کی وجہ سے یہ لکھا ہے کہ "اسوقت یعنی طایف سے واپس آنیکے بعد نقل مکانی کا خیال آپکے دل میں پیدا ہونا شروع ہوگیا تھا اور اسی نے

کی ایک سورۃ میں ہم الفاظ ذیل پاتے ہیں یعنی مشرکوں سے کنارہ کش رہو اگر خدا چاہتا تو یہ شرک نہ کرتے ہمنے تمکو کوئی محافظ مقرر نہیں کیا پس جس ہجرت کا آپنے ارادہ کیا تھا اسکی منظوری وحی الٰہی سے حاصل کرکے آپنے مدینہ کے لوگوں کیساتھ تعلقات کرنے شروع کئے"۔ اور پھر آگے چلکر لکھتا ہے "گر محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مکہ کو بغیر ایک دھمکی اور ایک سرزنش کے نہیں چھوڑا۔ چونکہ آپ کو اپنی رسالت کی انجام کار کامیابی اور مکہ والوں پر آیندہ زمانہ میں کسی فتح کا پورا یقین تھا اسلئے آپنے ایک الہام پیش کردیا کہ مسلمان ہی زمین کے وارث ہونگے اور ظالم لوگ ہلاک کئے جاوینگے" اب میں پادری سیل سے پوچھتا ہوں کہ یہ پیشگوئی تو ہی اور سچی بھی نکلی پس اسکا منبع اسکے نزدیک کیا تھا۔ اور یہ یقین کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخرکار غالب ہوجاوینگے اور مکہ والوں پر ان کو فتح ہوگی اور مسلمان ہی وارث مکہ کے ہونگے کس ذریعہ سے آپکے دل میں آیا کیونکہ ظاہر حالات نبی کریمؐ کے تو ہرگز اس کے موید نہ تھے کیا کوئی شخص انسانی دور اندیشی سے اس نتیجہ تک پہنچ سکتا تھا کہ ایک شخص جس کی ہلاکت کے لئے ایک قوم منصوبے کر رہی ہے اور جسکو اپنی جان بچانیکے لئے رات کے وقت اپنے مکان سے تنہا بھاگنا پڑا ہے اور جسکے ساتھ کوئی جمعیت بھی نہیں ایسا شخص ایک طاقتور جنگجو قوم کو مغلوب کرلیگا؟ میں نہیں سمجھتا کہ پادری سیل اپنے تعصب اور اس دشمنی کے باوجود جو اسے اسلام سے ہے یہ جواب دینے کی جرأت کرسکے کہ ہاں یہ امر انسانی دور اندیشی کی حیطۂ قدرت کے اندر تھا اب یہ دو واقعات تاریخی شہادت سے قطعی طور پر ثابت ہیں کہ قرآن کریم نے یہ پیشگوئیاں کیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے مکہ سے ہجرت کرنی پڑے گی پھر ایک وقت آئیگا کہ آپ غالب اور فتحمند ہوکر اس شہر میں داخل ہونگے اور ایسے وقت میں ان پیشگوئیوں کو شہرت دی گئی جب ظاہر حالات سے آنحضرت کا غلبہ قریباً ناممکن معلوم ہوتا تھا اور پھر دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ہم ان پیشگوئیوں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی پورا ہونا بھی دیکھتے ہیں پس جس صورت میں یہ دو واقعات ثابت شدہ ہیں اور سیلؔ صاحب کو بھی ایک حد تک اقرار کرنا پڑا ہے تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا کس درجہ پر انکار کیا جاسکتا ہے اور اگر پادری صاحبان کا یہ خیال ہے کہ ان پیشگوئیوں کے منجانب اللہ ہونے میں فلاں نقص ہے تو انکا فرض ہے کہ وہ اس نقص کو پیش کریں اور دکھائیں کہ کیونکر پیشگوئیاں قطعی ثبوت کا حکم نہیں رکھتیں مگر ساتھ ہی انکو یاد رکھنا چاہیئے کہ ایسا نقص دکھلانے میں انکو سنت انبیاء کو مدنظر رکھنا چاہیئے یعنی یہ دکھانا چاہیئے کہ انبیاء علیہم السلام کی پیشگوئیاں انکے منجانب اللہ ہونے کی دلیل اسوقت ہوسکتی ہیں کہ فلاں فلاں اجزاء انمیں پائے جاتے ہوں اور یہ اجزاء ہماری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں میں نہیں پائے جاتے اور بہتر ہو کہ یسوع مسیح کی پیشگوئیاں اسموقع پر پیش کی جاویں جنکے پورا ہونیکو عیسائی صاحبان مانتے ہوں اور اگر پادری صاحبان کی نظر انجیل پر ایسی ہی ناقص ہو جیسی قرآن شریف پر تو میں انکو بتا دیتا ہوں کہ یہ چند پیشگوئیاں انجیل میں ملتی ہیں کہ بارہ حواری جن میں یہودا اسکریوطی شامل ہے بارہ تختوں پر بیٹھینگے اور داؤد کا تخت قایم کیا جاویگا جسکے پورا کرنیکے لئے یہ حکم صادر ہوا تھا کہ کپڑے بیچکر تلواریں بدلو اور کہ ابھی وہ نسل موجود ہی ہوگی کہ آپ واپس تشریف لے آوینگے اور جن میں رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہے وہ اگر پہاڑ کو کہینگے کہ اپنی جگہ

سے ٹل جاتو وہ ٹل جائیگا مثال کے طور پر یہ کافی ہیں۔

سیل صاحب باوجود پیشگوئی کا اقرار کرنیکے اسکی قدر کو یہانتک کم کرنا چاہتے ہیں کہ جب مدینہ کے چند آدمیوں نے بیعت کی تو اسوقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کا خیال آیا اگرچہ یہ جھوٹ ہے جیسا کہ میں ابھی دکھاتا ہوں مگر پیشگوئی کی وقعت صرف ہجرت کرنے میں نہیں ہے اگرچہ ایسے دشمنوں کے ہاتھ سے بچکر نکل جانا بھی اعجاز تھا مگر بڑا اعجاز جس کی نظیر ہم اور جگہ نہیں پاتے غلبہ اور فتح کیساتھ واپس آنیکی پیشگوئی ہے کیا مدینہ کے چھ آدمیوں کے بیعت کرنیسے یہ خیال دلمیں پیدا ہو سکتا تھا کہ اب قریش جیسی جنگجو قوم کو فتح کر لینگے یہ محض حماقت کا خیال ہے اب میں نیچے وہ آیات نقل کرتا ہوں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ہجرت کی پیشگوئی اور پھر فتح اور غلبہ کے ساتھ مکہ واپس آنیکی پیشگوئی ابتدائے زمانہ نبوت کی وحی سے لیکر اخیر تک کی وحی میں پائی جاتی ہے اور اسی زمانہ میں پیشگوئی بہت شہرت پا چکی تھی۔

سورۂ ابراہیم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وقال الذین کفروا لرسلھم لنخرجنکم من ارضنا او لتعودن فی ملتنا فاوحیٰ الیھم ربھم لنھلکن الظٰلمین ۝ ولنسکننکم الارض من بعدھم ذٰلک لمن خاف مقامی وخاف وعید ۝ واستفتحوا وخاب کل جبار عنید ۝ منکروں نے اپنے پیغمبروں سے کہا کہ ہم تمکو اپنے ملک سے ضرور باہر نکال دیں گے یا تم پھر ہماری مذہب میں آجاؤ گے اسپر پروردگار نے پیغمبروں کی طرف وحی بھیجی کہ ہم ظالم لوگوں کو ضرور ہلاک کرینگے اور انکے بعد تمکو اس سرزمین میں (جس سے وہ تمہیں نکالتے ہیں) ضرور ہی آباد کریں گے یہ اس شخص کے لئے ہے جو ہمارے حضور میں کھڑے ہونیسے ڈرے اور ہمارے وعید کا خوف کرے پھر انہوں نے فتح طلب کی اور ہر ایک سرکش ضدی ہلاک ہوگیا ان آیات میں گویا اللہ تعالیٰ اپنی سنت کو بیان فرماتا ہے جو تمام انبیاء کے ساتھ رہی ہے کہ اول اول کافر لوگ ان کو زمین سے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں یا نکال دیتے ہیں پھر خدا تعالیٰ ظالموں کو ہلاک کر کے اپنے پیغمبر اور اسکے متبعین کو اس زمین کا وارث بنا دیتا ہے اب دیکھو ان الفاظ میں جو ہجرت سے بہت مدت پہلے کے ہیں کیسی کھلی کھلی پیشگوئی مکہ سے نکالے جانیکی اور پھر کفار کی ہلاکت کے بعد غلبہ اور فتح سے واپس آنیکی موجود ہے یہ ایسی کھلی پیشگوئی ہے کہ ایسی صریح پیشگوئی کی نظیر دوسرے انبیاء میں ہمیں نہیں ملتی ایسا ہی سورہ بنی اسرائیل کی ان آیات پر غور کرو جو اس آیت سے شروع ہوتی ہیں وان کادوا لیستفزونک من الارض لیخرجوک منھا واذا لا یلبثون خلٰفک الا قلیلا یعنی قریب ہے کہ یہ لوگ تمہیں مکہ سے نکال دیں لیکن جب ایسا کریں گے تو اسوقت تمہارے پیچھے یہ بھی چند دن ہی رہینگے یہی سنت ان رسولوں کے بارے میں رہی ہے جو ہمنے تمسے پہلے بھیجے ہیں اور خدا کی سنت بدلتی نہیں اور تو دعا مانگتا رہ کہ اے میرے رب جب تو مجھے (پھر مکہ میں) داخل کرے تو صدق یعنی قوت اور غلبہ کے ساتھ داخل کیجیو اور جب یہاں سے نکالے تو صدق یعنی سلامتی کے ساتھ نکالیو اور اپنے ہاں سے مجھکو دشمنوں پر فتحیابی کیساتھ غلبہ دیجیو اور انکو کہدو کہ اب حق آگیا اور باطل نیست و نابود ہوگیا کیونکہ باطل نیست و نابود ہونیوالا ہی تھا پھر اسی سورہ میں آگے جاکر موسیٰ اور فرعون کا قصہ بیان کرتے وقت فرمایا فاراد ان

من الارض فاغرقنٰہ ومن معہ جمیعا ۰ وقلنا من بعدہ لبنی اسرائیل اسکنوا الارض۔ یعنی فرعون نے یہ ارادہ کیا کہ حضرت موسیٰ اور اسکے ساتھیوں کو اس زمین سے نکالدیوے تو ہمنے فرعون اور اسکے ساتھیوں کو غرق کر دیا اور اسکے بعد بنی اسرائیل کو کہا کہ تم زمین میں آباد ہو جاؤ۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ چونکہ قرآن شریف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیل موسیٰ قرار دیا ہے اور اسی مماثلت کی وجہ سے ہی حضرت موسیٰؑ کے قصہ کو بار بار بیان فرمایا ہے اسلئے جو کچھ فرعون نے حضرت موسیٰ سے سلوک کیا اور جو اسکا انجام ہوا وہ بطور پیشگوئی ہے کہ ایسا سلوک کفار آنحضرتؐ سے کرینگے اور وہی انکا انجام ہوگا گویا یہ قصے بطور پیشگوئی بیان کئے گئے ہیں۔

سورہ القصص کے اخیر میں ہجرت اور اسکے بعد فتح اور غلبہ کیساتھ واپسی کی پیشگوئی کو نہایت ہی مختصر الفاظ میں یوں بیان فرمایا ہے ان الذی فرض علیک القرآن لرادک الی معاد۔ وہ خدا جس نے قرآن کریم کو تمپر فرض کیا ہے وہ یقیناً یقیناً تمکو تمہاری پہلی جگہ کی طرف پھیر لائیگا لفظ معاد کی تفسیر صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس سے یوں مروی ہے لرادک الی معاد قال الی مکۃ یعنی معاد سے مراد اس جگہ مکہ ہے کیونکہ معاد کے معنے ہیں اصلی یا پہلی جگہ اور آنحضرتؐ کی پہلی جگہ مکہ تھی اب یہ سورۃ اور آیت مکہ میں ہی نازل ہوئی تو اسمیں یہ پیشگوئی کی گئی کہ خدا تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے لیجا کر پھر مکہ میں واپس لائیگا کیونکہ لفظ رد کا مفہوم یہ ہے کہ کسی اور جگہ جا کر پھر واپس آئے پس اس ایک ہی لفظ میں ہجرت اور ہجرت کے بعد واپسی کی پیشگوئی ہے پھر سورۃ السبا میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قل یجمع بیننا ربنا ثم یفتح بیننا بالحق وھو الفتاح العلیم۔ تو کہہ ہمارا پروردگار پھر ہمکو اکٹھے کریگا اور ہم میں انصاف کیساتھ فیصلہ کریگا اور وہ ٹھیک فیصلہ کرنیوالا اور سب کے حال سے واقف ہے یہاں بھی دوبارہ جمع کرنیکی پیشگوئی جاہتی ہے کہ پہلے ہجرت کرنی پڑی اور اسکے بعد فرمایا۔ ویقولون متیٰ ھذا الوعد ان کنتم صٰدقین ۰ قل لکم میعاد یوم لا تستاخرون عنہ ساعۃ ولا تستقدمون یعنی جب انکو یہ کہا گیا کہ وہ دن آنیوالا ہے جب خدا مسلمانوں اور کافروں کو پھر جمع کرکے مسلمانونکو فتح دیگا تو انہوں نے سوال کیا کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا جسکا جواب یہ دیا گیا کہ تو کہدے ایک دن کی میعاد تمہیں دیجاتی ہے جس سے نہ تم ایک گھڑی بھی آگے بڑھ سکتے ہو اور نہ پیچھے رہ سکتے ہو پیشگوئی میں ایک دن سے مراد ایک سال ہوتا ہے اور ایسا ہی ہوا کہ ہجرت کے ایک سال بعد کفار اور مسلمانوں کا مقابلہ میدان بدر میں ہوا جہاں مسلمانوں نے کفار کو سخت شکست دی یہ تمام پیشگوئیاں بصراحت ہجرت اور ہجرت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلبہ اور مکہ میں واپس آنیکو بتا رہی ہیں۔

ایسا ہی ابتدائی زمانہ کی سورتوں میں بھی ہجرت اور فتح کی پیشگوئیاں پائی جاتی ہیں چنانچہ الصّٰفّٰت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین ۰ انہم لہم المنصورون ۰ وان جندنا لھم الغٰلبون ۰ فتول عنہم حتیٰ حین ۰ وابصرھم فسوف یبصرون ۰ اور ہمارے ان بندوں کے حق میں جو رسول ہیں ہمارا حکم پہلے ہی ہو چکا ہے کہ بیشک انہی کو مدد دیجائیگی اور ہمارا لشکر بیشک وہی غالب ہوگا تو اسے پیغمبر تم چند روز ان سے اعراض کرو (یعنی الگ ہو جاؤ) اور دیکھتے رہو کہ کیا ہوتا ہے یہ بھی دیکھ لینگے

ایسا ہی سورۃ الزخرف میں فاصفح عنہم وقل سلام سے علیحدگی پائی جاتی ہے اور سورہ سجدہ میں فاعرض عنہم وانتظر انہم منتظرون میں یہی اشارہ ہے۔

اور بھی بہت سے حوالے دئے جاسکتے ہیں مگر مضمون کے لمبا ہونیکا اندیشہ ہے میں اسی پر کفایت کرنا ہوں ایک بات اور اسجگہ کہنی چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ جیسا اوپر ذکر ہوا قرآن شریف میں جسقدر قصص بیان ہوئے ہیں وہ بھی دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بطور پیشگوئیوں کے ہیں انہیں سے حضرت موسیٰؑ کے قصہ کا اوپر ذکر ہوا اسجگہ دو اور کا میں ذکر کرونگا جن میں ہجرت کی اور بعدہٗ غلبہ کی پیشگوئیاں پائی جاتی ہیں۔ اوّل حضرت یوسفؑ کا قصہ ہے جسکے ابتدا میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لقد کان فی یوسف واخوتہٖ اٰیٰت للسائلین۔ یعنی یوسف اور انکے بھائیوں میں ان لوگوں کے لئے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سوال کرتے ہیں نشانیاں ہیں وہ نشانیاں کیا تھیں یہی کہ یہ قصہ اصل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حال کے متعلق عجیب در عجیب پیشگوئیاں اپنے اندر رکھتا ہے حضرت یوسف ایک رؤیا دیکھتے ہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایکدن انکے سامنے انکے بھائی فرمانبرداروں کی طرح حاضر ہونگے اور وہ انپر غالب ہونگے اسی طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی الٰہی کے ذریعہ سے خبر دیجاتی ہے کہ وہ آخر کار کفار قریش پر غالب آ وینگے حضرت یوسفؑ کے بھائی انکے قتل کا ارادہ کرتے ہیں اور آخر ایک کنوئیں میں انکو پھینک دیتے ہیں یہ پیشگوئی تھی کہ اسی طرح قریش بھی متفق ہوکر آپکے قتل کا ارادہ کریں گے مگر ناکام ہونگے اور جیسا حضرت یوسفؑ کنوئیں میں ڈالے گئے آنحضرتؐ کو غار میں پناہ لینی پڑی پھر جیسے حضرت یوسفؑ کو ایک دوسرے ملک میں جاکر عزت و کامیابی حاصل ہوئی ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فتوحات اور غلبہ بھی مدینہ جاکر شروع ہوئی اور اسبات کے ثبوت کے لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آغاز و انجام کی یہ پیشگوئی ہے جیسا کہ ابتدا میں فرمایا تھا لقد کان فی یوسف واخوتہٖ اٰیٰت للسائلین اخیر پر جن الفاظ میں حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کا قصور معاف فرمایا تھا انہیں الفاظ میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار قریش کا قصور اسوقت معاف فرمایا جب وہ یوسف کے بھائیوں کی طرح اپنی خطاؤں کے اقراری ہوکر فتح مکہ کے بعد طالب معافی ہوئے آپ نے فرمایا لا تثریب علیکم الیومؕ یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین۔ دوسرا قصہ جسکی طرف میں نے اوپر اشارہ کیا ہے وہ اصحاب کہف کا قصہ ہے جو دہاں بھی چند صالح آدمیوں کو ایک بت پرست کے ظلم سے ایک غار میں پناہ لینی پڑی تھی انکے قصہ کو بیان فرماکر اللہ تعالیٰ ہمارے نبی کریمؐ کو مخاطب کرکے فرماتا ہے قل عسیٰ ان یھدین ربی لاقرب من ھذا رشدا یعنی کہدو کہ مجھکو بھی ایسے واقعات پیش آوینگے مگر میں امید کرتا ہوں کہ میرا پروردگار اس سے قریب تر راہ کامیابی کی مجھے دکھادیگا پس ان دونوں قصوں میں عظیم الشان پیشگوئیاں ہجرت کی اور ہجرت کے بعد فتح اور غلبہ کی پائی جاتی ہیں۔

قرآن کریم کے اسقدر حوالے اسبات کو بڑی صفائی سے ثابت کرتے ہیں کہ قرآن کریم کی کی سورتوں میں خواہ وہ ابتدائی زمانہ کی تھیں یا کی زندگی کے آخری حصہ کی بار بار اور کثرت سے پیشگوئیاں ہجرت کی اور ہجرت کے بعد

فتح اور غلبہ سے بھر کر ہیں داخل ہونگی پائی جاتی ہیں میں حیران ہوتا ہوں کہ جب ہماری مخالفین جلدوں کی جلدیں اعتراضوں کی لکھ مارتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے اس کامل اور یگانہ ثبوت کی طرف کبھی توجہ نہیں کرتے اور اسکو یونہی ٹال جاتے ہیں گویا یہ پیشگوئیاں قرآن شریف میں موجود ہی نہیں کسقدر تعجب ہے کہ پادری سیل نے بہت سے اوراق اعتراضوں کے ا سیاہ کر دئے لیکن ان پیشگوئیوں پر بحث کرنیکے لئے اس ایک صفحہ بھی نہ سکا حالانکہ یہی وہ ضروری امور ہیں جن سے کوئی صحیح نتیجہ پیدا ہوسکتا ہے اگر انکے نزدیک ان پیشگوئیوں کی کوئی اور تشریح ہو سکتی تھی تو انہوں نے کیوں نہ کی بلکہ اس ضروری سوال کو ٹال دینے سے صاف پتہ لگتا ہے کہ انکے پاس اسکا کوئی جواب نہیں مینر پادری سیل کے ان تمام بڑے بڑے اعتراضات کا جواب مفصل دیدیا ہے جو اسنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ زندگی پر کئے ہیں یہ جواب کیسا تھا اس فیصلہ کو میں ناظرین پر ہی چھوڑونگا مینے یہ دکھایا ہے کہ پادری صاحب نے اکثر غلط بیانیوں سے کام لیکر اپنے اعتراضات کی فہرست کو بڑھایا ہے اب اسقدر لکھ چکنے کے بعد میرا حق ہے کہ میں پادری صاحب سے یہ مطالبہ کروں کہ وہ ان عجیب پیشگوئیوں پر کچھ لکھیں تاکہ دنیا کو معلوم ہوجائے کہ انکے اعتراض کسی حق طلبی کی بنا پر ہیں۔ یا محض اندھے تعصب کی وجہ سے اگر انکا مقصد مذہب کے ساتھ ہنسی کرنا ہے تو میں انکو خطاب بھی نہیں کرتا لیکن اگر جیساکہ وہ ظاہر کرتے ہیں وہ سنجیدگی سے دوسرے مذاہب پر بحث کرنا چاہتے ہیں تو انکا یہ فرض ہے کہ یا ان پیشگوئیوں کو آنحضرت کے منجانب اللہ ہونے پر دلیل قاطع سمجھیں اور یا انکی کوئی معقول تشریح کرکے دکھلائیں بلکہ چونکہ وہ اسلام کی مخالفت میں لکھ چکے ہیں اسلئے بحیثیت ایک معتقد ہونیکے انکا یہ فرض ہے کہ وہ اس پہلو پر بھی بحث کریں جسکو میں اب پیش کرتا ہوں اگر وہ اس سوال کو خاموشی سے نہ ٹالدیں تو میں یقین رکھتا ہوں کہ انکو اسمیں سوائے اسکے کوئی راہ نہ ملے گی کہ ان پیشگوئیوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر یقینی اور قطعی شہادت تسلیم کرنا پڑیگا۔

اگر ان پیشگوئیوں کو خدائے عالم الغیب کی طرف سے نہ مانا جاوے تو پھر یہ کہنا پڑے گا کہ یا دیوانہ کی بڑتھیں یا یونہی اٹکل کچو چند باتیں کہی گئی تھیں اور یا انسانی دوراندیشی کا نتیجہ تھیں مگر مجنون کی باتوں کا کبھی یہ اثر نہیں ہوتا کہ انسے سننے والوں کے دلوں میں ایک یقین کامل پیدا ہوجاوے حالانکہ ان پیشگوئیوں کی صداقت کا یقین ہزارہا انسانوں کے دلوں میں قبل اسکے کہ وہ انکو پورا ہوتے دیکھیں ایسا گہرا تھا کہ نہ صرف انہوں نے انکی خاطر اپنی جائدادوں اور مالوں اور گھروں کو ہی چھوڑا اور طرح طرح کی تکالیف کا برداشت کرنا قبول کیا بلکہ جانوں کا قربان کرنا بھی کچھ مشکل نہ سمجھا اور پھر یہ یقین کیسا صحیح ثابت ہوا کسی نبی کی ایک بھی ایسی پیشگوئی نہیں ملتی جو اس صراحت سے شایع کی گئی ہو اور اس صفائی سے پوری ہوئی ہو اگر کفار عرب نے اول اول آنحضرت کو مجنون کہا تو اسکی وجہ انہی پیشگوئیوں کی اشاعت تھی کیونکہ وہ خدا کی طاقتوں کو نہ سمجھتے تھے اور انہوں نے اس امر کو محض ناممکن خیال کیا کہ یہ پیشگوئیاں کبھی پوری ہوسکتی ہیں اور انکو جو جواب دیا گیا وہ یہ تھا ما انت بنعمت ربك بمجنون وان لك لاجرا غير ممنون یعنی تو مجنون کس طرح ہوسکتا ہے مجنون کے اقوال افعال تو لغو ہوتے ہیں اور ان کا کوئی نتیجہ نہیں ہوتا مگر تیرے لئے ایسا اجر ہے جو قیامت تک منقطع نہیں ہوگا اور

پھر اہل مکہ کو ان اصحاب الجنۃ سے مثال دی ہے جنکا باغ تباہ کر دیا گیا چنانچہ اس پیشگوئی کے بہت برس بعد اہل مکہ نے صاف اپنی غلطیوں کا اقرار کیا اور کہا سبحٰن ربنا انا کنا ظٰلمین۔ یٰویلنا انا کنا طٰغین۔ یہ اقرار اپنے گناہوں اور غلطیوں کا اس لئے کیا کہ اب کوئی عذر انکا باقی نہ رہ گیا تھا اور اللہ تعالیٰ کی زبردست طاقت کو وہ اپنی آنکھوں سے آنحضرت کی تائید میں کام کرتا ہوا دیکھ چکے تھے اور جو باتیں انکو ابتدا میں کہی گئی تھیں وہ تمام کی تمام سچی ثابت ہو چکی تھیں۔

اب دوسرے سوال پر غور کرو کہ اگر یہ باتیں مجنون کی نہ تھیں تو پھر کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیاس سے ایسا کہدیا تھا یا آیا ان باتوں کا بنا دینا انسانی دوراندیشی کی حد کے اندر تھا یہ خیال بھی بالکل بیہودہ ہے اول تو جو شخص قیاس سے یا دوراندیشی سے کہتا ہے وہ اپنے مخالفین کو اسقدر زور سے اپنی ہی ہلاکت کے منصوبے کرنے اور پھر ان پر عمل کرنیکے لئے چیلنج نہیں کر سکتا جیسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا قرآن شریف کفار کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ تم اپنی کل تدبیروں اور ناپاک منصوبوں کو میرے خلاف جمع کرو اور اپنے مددگاروں کو مدد کے لئے بلا لو پھر ان منصوبوں پر پورے زور سے عمل کرو اور مجھے کوئی مہلت بھی نہ دو اب غور کرو کہ جو شخص محض قیاس سے یہ بات کہتا ہے کہ شاید کسی زمانہ میں میں ہی غالب آ جاؤں درآنحالیکہ اسکے پاس وجہ ایسا کہنے کی کوئی بھی نہیں وہ ان الفاظ میں اپنے مخالفین کو مخاطب کر سکتا ہے؟ جس چیز کی بنا قیاس اور شک پر ہو گی وہ خود شک کا رنگ اپنے اندر رکھتی ہو گی لیکن یہ یقین تام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں میں پایا جاتا ہے یہ تو صاف ظاہر کر رہا ہے کہ آپ کا ذریعہ علم یقینی تھا اور ایسا یقینی کہ بڑی سے بڑی ناکامیوں اور مشکلات کے وقت بھی شک کا وہم تک بھی اس یقین کے پاس پھٹک نہ جاتا تھا غور کرو کہ ایک طرف تو مکہ میں دن بدن مسلمانوں پر سختیاں اور ظلم بڑھتے جاتے ہیں اور اس غریب جماعت کو طرح طرح سے ہلاک کیا جاتا ہے اور کوئی دنیا کی آنکھوں سے دیکھنے والا نہیں کہہ سکتا کہ یہ پودہ کبھی سرسبز ہو گا اور دوسری طرف ساتھ ہی ساتھ پیشگوئیوں میں یقین اور زور بڑھتا جاتا ہے کہ ضرور ضرور آنحضرت غالب ہونگے اور کفار مغلوب اور ہلاک ہونگے اور ان کا کوئی منصوبہ کارگر نہ ہو گا جو الفاظ اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کے یقین کو کسی زبان میں ظاہر کر سکتے ہیں وہی الفاظ اس یقین کو ظاہر کرنیکے لئے استعمال کئے گئے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی کامیابی پر ہے اب اس یقین کے وجوہات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سوائے وحی الٰہی کے اور کوئی نہ تھے جس سے لازماً یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ کی وحی منجانب اللہ تھی اور ان پیشگوئیوں کا منبع خدا کا ہی علم غیب تھا نہ کوئی قیاس اور دوراندیشی۔

اور بھی بہت سے واقعات ہیں جن سے یہی نتیجہ نکلتا ہے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا محض یہ قیاس ہوتا تو ایک شکی بات سے دوسروں کے دلوں میں یقین تام کیونکر پیدا ہو سکتا تھا جو جو قربانیاں صحابہ نے کیں اور جو جو تکالیف سہیں اور پھر ان تکالیف کے نیچے جو ایمانی قوت انہوں نے دکھلائی اور استقامت اور صبر کا نمونہ دکھایا وہ صاف طور پر ثابت کر رہی ہیں کہ قیاس یا شکی باتوں سے ایسا یقین تام پیدا نہ ہو سکتا تھا یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی صرف یہ تھی کہ وہ اصول آخرکار غالب ہونگے جنکی طرف

آپ بتلاتے ہیں بلکہ پیشگوئی یہ تھی کہ خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابوجہل وابولہب وغیرہ کفار پر غالب ہونگے اور یہ کفار آپکی آنکھوں کے سامنے ہلاک اور مغلوب ہونگے کسی اصول کے غالب آنیکی پیشگوئی اور بات ہے اور خود ایک انسان کے غالب آنیکی پیشگوئی الگ بات ہے اسجگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلبہ اور مخالفین کی ہلاکت کی پیشگوئی ہے ان دونوں باتوں میں امتیاز کرنا نہایت ضروری ہے ایک انسان کا اسقدر منصوبوں اور مخالف کوششوں میں زندہ بچ رہنا پھر مخالفین کی قوت کا نیست ونابود کئے جانا اور اس انسان کی قبولیت کا زمین پر پھیلایا جانا کہ تا لوگ اسکے ساتھ ملجائیں اور یہ سب نظارہ اسکی زندگی میں اسکی آنکھوں کے سامنے واقع ہونا یہ باتیں صاف دلالت کرتی ہیں کہ ایسی پیشگوئی محض اس مقتدر ہستی کی طرف سے ہے جس کے ہاتھ میں یہ تمام دنیا کا کارخانہ ہے اور جسکے تصرف سے ہی سب کام ہوتے ہیں اور جسکے اذن کے بغیر کوئی انسان ہاتھ نہیں ہلا سکتا یہی پیشگوئیاں ہیں جو خدا تعالیٰ کی ہستی کا کامل ثبوت دیتی اور زندہ یقین پیدا کرتی ہیں اور انکے بالمقابل تمام معجزات جو کسی نبی کی طرف منسوب کئے گئے ہوں ایسی قطعی اور یقینی شہادت پیدا نہیں کرسکتے۔

میں یہ کہہ چکا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان پیشگوئیوں سے جو ثبوت ملتا ہے وہ یگانہ ہے کسیقدر تو یہ تذکرہ بالا تحریر سے ظاہر ہے مگر میں خصوصیت سے دو امر پیش کرتا ہوں جنکی مثال ہم دوسری کسی جگہ نہیں پاتے اول یہ کہ ان پیشگوئیوں کا دشمنوں اور دوستوں میں سالہاسال وقوع سے پہلے شایع ہونا اور پھر اپنے وقت پر صفائی سے پورا ہونا دونوں باتیں تاریخی طور پر ایسے ثابت شدہ امور ہیں کہ ان میں ذرا بھی شک کی گنجایش نہیں اگر پیشگوئی صرف ایک دو دفعہ ہی قرآن کریم میں بیان ہوئی تو کسی معاند کو یہ کہنے کی گنجایش ہوتی کہ شاید ایسی آیت مکہ میں نازل نہ ہوئی ہو بلکہ مدینہ میں نازل ہوئی ہو اور پھر مکی سورت کے ساتھ لگادی گئی ہو مگر خدا تعالیٰ نے اسقدر بار بار دوہرا کر اس پیشگوئی کو بیان کیا ہے کہ شاید ہی کوئی سورۃ اس سے خالی ہو اور اسلئے کسی مخالف کو اس پیشگوئی کے قبل از وقوع شایع ہونے میں انکار نہیں ہوسکتا حالانکہ دوسرے کسی نبی کی پیشگوئی کے قبل از وقت شایع ہونیکا ثبوت تاریخی ہمارے پاس کوئی نہیں دوسرا ممتاز نشان ان پیشگوئیوں کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے امت محمدیہ میں اس سلسلہ کو منقطع نہیں کیا پس جو شخص گذشتہ سے انکار کرے وہ اب بھی دیکھ سکتا ہے اور یہ ایسا امتیازی نشان اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ہے کہ دوسرا کوئی مذہب مقابلہ کرنا تو ایک طرف رہا ایسا دعوی بھی نہیں کرسکتا اصل بات یہ ہے کہ گذشتہ کہانیاں کسی کام کی نہیں جبتک کہ انکے ساتھ کوئی زندہ نمونہ موجود نہ ہو بلکہ یہ امر خود شک میں ڈالنے والا ہے کہ اگر کوئی مذہب اسی صداقت پر قائم ہی جس پر اول قائم تھا تو کیا وجہ ہے کہ ان خوارق کا دروازہ بند کردیا گیا جو اول اسکے لئے بطور صداقت کے نشان کے دئے گئے تھے اور کیا وجہ ہے کہ وہ انعام جو اولین کو ملا تھا وہ بعد میں آنیوالوں سے ہمیشہ کے لئے چھین لیا گیا اور انکو نور نہیں دیا گیا بلکہ تاریکی میں ہی حیران سرگردان پھرنے کے لئے چھوڑ دیا گیا پس اسلام کی یہ دو فضیلتیں اسی سے مخصوص ہیں اور کسی دوسرے مذہب میں ان کا وجود نہیں پایا جانا اول یہ کہ تاریخی طور پر اسکی پیشگوئیاں اور خوارق ثابت ہیں اور دوم یہ کہ سلسلہ پیشگوئیوں اور مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ کا اسلام میں ہمیشہ

پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی

خدا کی باتوں کو پورا ہوتا دیکھکر مومن کی روح کو عجیب سرور حاصل ہوتا ہے ۴۔ اپریل ۱۹۰۵ء کے دہشتناک زلزلہ کے دنین دن بعد ہی حضرت مسیح موعود کو یہ الہام ہوا کہ ابھی زلزلے بھی آئیں گے اور انکی تباہی ایسی ہوگی کہ وہ گویا قیامت کا نمونہ ہونگے چنانچہ یہ پیشگوئیاں اسی رسالہ کے متواتر پرچوں میں بھی گذشتہ سال میں شایع ہو چکی ہیں اور اس امر کے لئے کہ ایک ہی زلزلہ نہیں بلکہ کئی زلزلے آینگی پیشگوئیاں تھیں ناظرین اشتہار النداء من وحی السماء کو دیکھیں جو گذشتہ جلد رسالہ ہذا میں بھی درج ہے چنانچہ اس جلد کے صفحہ ۲۴۲ سطر ۸ میں یہ درج ہے کہ ایک زلزلہ نہیں بلکہ کئی زلزلے آئیں گے اور ایک یہ بھی الہام الٰہی تھا جو وہ بھی بار بار اور کثرت سے شایع ہو چکا ہے کہ پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی۔ جسکا صاف منشا یہ تھا کہ ان زلازل کی ابتدا موسم بہار سے ہی شروع ہوگی اب اگرچہ چھوٹے چھوٹے دھکے زلزلوں کے ۴۔ اپریل کی زلزلہ کے بعد آتے رہے مگر یہ جیسا کہ ماہرین علم الارض نے بیان کیا تھا سب ۴۔ اپریل والے زلزلہ کے بقایا تھے چنانچہ انکا خیال لوگوں نے بہت کم کیا مگر جو زلزلہ ۲۸۔ فروری ۱۹۰۶ء کو آیا وہ اپنے رنگ میں بالکل نیا اور نرالا تھا اس نے وہی دہشت دلوں میں پیدا کر دی جو ۴۔ اپریل والے زلزلہ نے کی تھی مگر یہ بھی ابتدا ہے ایسے زلزلہ کے آنیسے ماہرین علم الارض نے انکار کیا تھا بلکہ پروفیسر اموری صاحب نے جو جاپان سے آئے تھے یہ یقین دلایا تھا کہ دو سو سال تک اب سخت زلزلہ نہیں آئیگا اب غور کرنیوالے غور کریں کہ خدا کے کلام کی صداقت اس سے کیسی چمکتی ہے کون انسان ۲۸۔ فروری سے پہلے کہہ سکتا تھا کہ پھر ایسا سخت زلزلہ آئیگا جو مکانوں اور دلوں کو ہلا دیگا پر خدا کے کلام نے کئی ماہ پیشتر یہ بتایا اور پھر اس کے ساتھ یہ بھی خبر دی کہ ایام بہار میں یہ زلزلہ آئیگا مگر یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ جو زلزلہ نمونہ قیامت کا وعدہ تھا وہی آچکا بلکہ یہ ایک تمہید اس عظیم الشان زلزلہ کی ہے جو آنیوالا ہے اسکے متعلق میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وہ اشتہار درج کرتا ہوں جو آپنے ابھی شایع کیا ہے کاش دنیا ان امور پر غور کرتی تو وہ خدا کی ہستی کا مزہ لیتی مگر وہ ایک مردہ ایمان پر قناعت کئے بیٹھے ہیں اور خدا کے تازہ بتازہ نشانوں پر غور نہیں کرتے اشتہار حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ ہے۔

زلزلہ کی پیشگوئی

دوستو جاگو کہ اب پھر زلزلہ آنے کو ہے	پھر خدا قدرت کو اپنی جلد دکھلانے کو ہے
یہ جو ماہ فروری میں تم نے دیکھا زلزلہ	تم یقین سمجھو کہ یہ اک زجر سمجھانے کو ہے
آنکھ کے پانی سے یارو کچھ کرو اسکا علاج	آسماں اے غافلو اب آگ برسانے کو ہے

اے عزیزو! آپ لوگوں نے اس زلزلہ کو دیکھ لیا ہوگا جو ۲۸۔ فروری ۱۹۰۶ء کی رات کو ایک بجے کے بعد آیا تھا یہ وہی زلزلہ تھا

جسکی نسبت خدا تعالیٰ نے اپنی وحی میں فرمایا تھا پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی چنانچہ میں نے یہ پیشگوئی رسالہ الوصیۃ کے صفحہ ۱۳ و ۱۴ میں اور نیز اپنے اشتہارات اور اخبار الحکم اور بدر میں شایع کر دی تھی سو الحمد للہ والمنۃ کہ اسی کے مطابق عین بہار کے ایام میں یہ زلزلہ آیا لیکن آج یکم مارچ ۱۹۰۶ء کو صبح کے وقت پھر خدا نے یہ وحی میرے پر نازل کی جسکے یہ الفاظ ہیں زلزلہ آنیکو ہے اور میرے دل میں ڈالا گیا کہ وہ زلزلہ جو قیامت کا نمونہ ہے وہ ابھی آیا نہیں بلکہ آنیکو ہے اور یہ زلزلہ اسکا پیش خیمہ ہے جو پیشگوئی کے مطابق پورا ہوا کیونکہ جیسا کہ میں نے رسالہ الوصیۃ کے صفحہ ۱۳ و ۱۴ میں قبل از وقت لکھا تھا صرف ایک زلزلہ کی پیشگوئی نہیں بلکہ کئی زلزلوں کی نسبت خدا نے مجھے اطلاع دی تھی سو یہ وہ زلزلہ تھا جسکا موسم بہار میں آنا خدا تعالیٰ کی وحی کے مطابق ضروری تھا سو آ گیا اور ممکن ہے کہ وہ سخت زلزلہ قیامت کا نمونہ بھی موسم بہار میں ہی آوے اسلئے میں مکرر اطلاع دیتا ہوں اور متنبہ کرتا ہوں کہ جہانتک میرا خیال ہے وہ دن دور نہیں ہیں توبہ کرو اور پاک اور کامل ایمان اپنے دلوں میں پیدا کرو اور ٹھٹھا کرنیوالوں کی مجلسوں میں مت بیٹھو تا تم پر رحم ہو۔ یہ خیال مت کرو کہ ہم اس سلسلہ میں داخل ہیں میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ ہر ایک جو بچایا جائیگا کیا تم ایک دانہ سے سیر ہو سکتے ہو؟ یا ایک قطرہ پانی کا تمہاری پیاس بجھا سکتا ہے؟ اسی طرح ناقص ایمان تمہاری روح کو کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکتا آسمان پر وہی مومن لکھے جاتے ہیں جو وفاداری اور صدق سے اور کامل استقامت سے اور فی الحقیقت خدا کو سب چیز پر مقدم رکھکر اپنے ایمان پر مہر لگاتے ہیں میں سخت دردمند ہوں کہ میں کیا کروں اور کس طرح ان باتوں کو تمہارے دل میں داخل کر دوں اور کس طرح تمہارے دلوں میں ہاتھ ڈالکر گند نکالدوں ہمارا خدا نہایت کریم و رحیم اور وفادار خدا ہے لیکن کوئی شخص کوئی حصہ خیانت کا اپنے دل میں رکھتا ہے اور عملی طور پر اپنا پورا صدق نہیں دکھلاتا تو وہ خدا کے غضب سے بچ نہیں سکتا سو تم اگر پوشیدہ بیج خیانت کا اپنے اندر رکھتے ہو تو تمہاری خوشی عبث ہے اور میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ تم بھی ان لوگوں کے ساتھ ہی پکڑے جاؤ گے جو خدا تعالیٰ کی نظر کے سامنے نفرتی کام کرتے ہیں بلکہ خدا پہلے تمہیں ہلاک کریگا اور بعد میں انکو تمہیں آرام کی زندگی دھوکا نہ دے کیونکہ آرام کے دن نزدیک ہیں اور ابتدا سے جو کچھ خدا تعالیٰ کے پاک نبی کہتے آئے ہیں وہ سب ان دنوں میں پورا ہوگا کیا خوش نصیب وہ شخص ہے جو اس بات پر ایمان لاوے اور اپنے اندر تبدیلی پیدا کرے اور کیا بدنصیب وہ شخص ہے جو بڑھ بڑھ کے دعوے کرتا ہے کہ میں اس جماعت میں داخل ہوں مگر خدا اسکے دل کو ناپاک اور دنیا سے آلودہ اور خیانتوں سے پر دیکھتا ہے اور اسکے بعد تم لوگوں سے جھگڑا مت کرو اور دعا میں مشغول رہو ٹھٹھے اور ہنسی سے پرہیز کرو اور کسی کو دکھ مت دو اور ڈرتے رہو جبتک وہ خوفناک دن آوے جسکا وعدہ دیا گیا ہے نہیں یہ بھی ضروری نہیں کہ اس خوفناک دن سے پہلے کسی اخبار یا اشتہار کا جو اس پیشگوئی کی تکذیب کے بارہ میں لکھا گیا ہو رد کرو کیونکہ خدا ان مکذبوں کا آپ جواب دیگا۔ نیکی کرو بھلائی کرو صدقہ دو۔ راتوں کو اٹھکر اپنے یگانہ خدا کو یاد کرو اور اگر کالیوں کا پہاڑ بھی تم پر ٹوٹ پڑے تو انکی طرف نظر اٹھا کر مت دیکھو خدا کے غضب کے دن سے فرشتے بھی کانپتے ہیں سو تم ڈرتے رہو ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ

المشتھر مرزا غلام احمد مسیح موعود قادیان ضلع گورداسپور ۲۔ مارچ ۱۹۰۶ء

[illegible]

نوٹ اور ریویو

۶ مارچ ۔ ۴ مارچ کا اخبار آریہ پتر کا عجیب جہالت سے یہ لکھتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب کی پیشگوئی کوئی پوری نہیں ہوئی۔ حالانکہ ایک ہی صفحہ پہلے اسی اخبار میں لکھتا ہے کہ "آریہ سماج کی تاریخ میں ۶ مارچ کا دن ہمیشہ کیلئے یادگار رہیگا" اور یہ یاد نہ رہا کہ یہ یادگار تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کے پورا ہونے کی ہی ہے نہ کسی اور بات کی اگر کچھ ان لوگوں میں شرم ہو تو کم از کم ان دو باتوں کا اکٹھا ذکر تو نہ کریں جبتک دنیا قایم ہے تب تک ۶ مارچ کا دن آریہ سماج کو نہیں بلکہ دنیا کو نہیں بھولیگا کیونکہ اس دن وہ عظیم الشان پیشگوئی اپنی تمام تفصیلات کیساتھ پوری ہوئی جو اس واقعہ سے پانچ برس پہلے مختلف کتابوں اور رسالوں اور اخباروں میں شایع ہو چکی تھی آہ اگر آریہ سماج میں کچھ بھی خوف خدا ہوتا یا اور نہیں تو اپنے وکیل کے اقرار کا ہی جسکو اب شہید شہید کہکے پکارا جاتا ہے کچھ پاس ہوتا تو وہ خدا کے اس نشان کے پورا ہونے سے فائدہ اٹھاتے اور راہ راست پر آتے کیونکہ خود لیکھرام نے یہ اقرار کیا تھا کہ اگر پیشگوئی سچی نکلی تو یہ آریہ مذہب کے بطلان اور اسلام کی صداقت پر ایک قطعی اور یقینی شہادت ہوگی۔

مسیح کی قبر ولایت کے مشہور رسالے ہبرٹ جرنل میں سید امیر علی نے جو کسی زمانہ میں کلکتہ ہائی کورٹ کے جج تھے ایک مضمون لکھا ہے جس میں یہ دکھانا چاہا ہے کہ مسلمانوں کا عیسائیت کے متعلق کیا خیال ہے اس مضمون میں انہوں نے مسیح کے صلیب کے واقعہ کا بھی ذکر کیا ہے اور جو کچھ حضرت مسیح موعود نے خدا سے خبر پاکر لکھا ہے اور مشتہر کیا ہے اسکو سید صاحب نے بھی تسلیم کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ حضرت مسیح صلیب پر مرے نہیں بلکہ وہاں سے زندہ اتارے گئے اور پھر پوشیدہ پوشیدہ اپنے حواریوں کی مدد سے مشرقی ممالک میں وعظ کے لئے چلے آئے جہاں یہودیوں کی تکلیف دہی سے امن تھا اور پھر یہ بھی حوالہ دیا ہے کہ آجکل ایک مسلمان عالم نے دریافت کیا ہے کہ کشمیر میں ایک قبر بھی ہے جسکو عیسیٰ نبی کی قبر کہا جاتا ہے ہم یقیناً جانتے ہیں کہ تمام دانشمند اس بات کو آہستہ آہستہ قبول کر لینگے البتہ عیسائیوں کے لئے رونا ہے کیونکہ حضرت مسیح کی موت کے ثابت ہونے اور قبر کے دریافت ہونے سے گویا انکا مذہب مرا جاتا ہے چنانچہ سید امیر علی کے اس مضمون پر بھی عیسائی اخبار بہت جھنجلائے ہیں مگر افسوس ہے کہ ان لوگوں کا ہاتھ کہیں نہیں پڑتا اور ڈوبتے کی طرح تنکے کا سہارا تلاش کرتے ہیں اخبار ہارولٹ جھنڈ سید امیر علی کے اس مضمون پر نوٹ لکھتا ہوا کہتا ہے کہ قادیانی سلسلہ کی شہادت قابل اعتبار نہیں ہے مگر اسکو یاد نہیں رہا کہ شہادت تو تاریخی ہے البتہ حضرت مسیح موعود کو خدا نے اسپر مطلع کر دیا اس تاریخی شہادت کے بالمقابل آسمان پر چڑھ جانیکے لغو قصہ کو کسی منصف جج کے سامنے پیش کرو اور دیکھو وہ کیا فیصلہ دیتا ہے کہ دونوں امور میں سے کونسی بات قابل اعتبار ثابت ہوتی ہے آسمان پر چڑھ جانا یا باقی اقوام بنی اسرائیل کی طرف آکر انکو وعظ کرنا اور

آخر میں وفات پانا۔ اخبار مذکور یہ بھی لکھتا ہے کہ اس قسم کی اخلاقی بزدلی مسیح کی طرف منسوب نہیں ہو سکتی کہ اسکے شاگرد تو مصائب اٹھاتے رہیں اور وہ الگ ایک گوشہ میں جا بیٹھے۔ مگر اخلاقی بزدلی کا اعتراض تو آسمان پر چڑھ جانے سے ثابت ہوتا ہے کیونکہ بظاہر آسمان پر اسکا کوئی کام نہ تھا عیسائیوں کے قول کے مطابق وہ خدا تو تھا مگر یہ کسی نے نہیں لکھا کہ ۳۳ سال کے عرصہ میں جب وہ زمین پر رہا آسمان پر اسکی غیر حاضری کے سبب سے نظام عالم میں کوئی فتور آ گیا تھا پھر جب اسکو کام بھی کوئی نہ تھا حالانکہ دوسرے ملک میں جا کر تو اس نے کام بھی کیا تو پھر وہ کیوں شاگردوں کو مصیبتوں میں چھوڑ کر آسمان پر چلا گیا اور اخلاقی بزدلی کا داغ ہمیشہ کے لئے اپنے اوپر قبول کر لیا مشرق میں جانے سے تو بلکہ اس نے اپنی علو ہمتی کا ثبوت دیا سفر کی مصیبتیں جھیلیں مگر یہ گوارا نہ کیا کہ اسکی قوم یعنی بنی اسرائیل کی گمشدہ اقوام جو مشرق میں آباد ہو چکی تھیں اسکے آنے سے بے خبر رہیں یہ تو اخلاقی جرأت تھی کہ اسقدر دور و دراز کا سفر اختیار کر کے اپنی باقی قوم کے پاس پہنچے اور خدا کا پیغام انکو پہنچایا مگر پادری صاحبان ایک رسمی عقیدہ پر قائم ہو کر جو منہ پر آیا کہہ دیتے ہیں اور غور نہیں کرتے کہ مسیح کی عزت اور خدا تعالیٰ کی عزت کس بات میں ہے۔

بائبل کا انجام اور ینابیع الاسلام

ابھی بہت دن نہیں گذرے کہ مسلمانوں سے پادری صاحبان ثبوت طلب کیا کرتے تھے کہ بائبل میں کب تغیر و تبدل ہوا خدا کی شان ہے کہ آج وہی پادری صاحبان اپنی قلموں سے لکھ رہے ہیں کہ بائبل میں بیشک تغیر و تبدل ہوا اور کہ وہ خدا کا کلام بھی نہیں تجلی کے تازہ نمبر میں بائبل کے عنوان کے نیچے لکھا ہے کہ "ایک زمانہ تھا جب سبھی علماء کا یہ خیال تھا کہ بائبل کلام الٰہی ہے مگر زیادہ غور و فکر اور آزادانہ تحقیقات اور حق پسندی نے اس خیال کی غلطی کو واضح کر دیا" افسوس کہ حضرت مسیح اور آپکے حواریوں کا بھی بقول انکے اسی عقیدہ پر خاتمہ ہوا اور عیسائیوں کے مجسم خدا کو اور پھر روح القدس کو دو ہزار سال تک خبر نہ لگی کہ یہ بائبل کیا چیز ہے اسقدر ہماری استدعا پادری صاحبان سے ہے کہ آزادانہ تحقیقات اور حق پسندی کے خیال کو ذرا وسیع کریں تو اس دوسرے خیال کی بھی کہ نعوذ باللہ یسوع مسیح خدا ہے غلطی واضح ہو جاوے جس جرأت سے پہلا قدم رکھا گیا ہے وہ امید دلاتی ہے کہ یہ دوسرا قدم اٹھانے میں بھی پادری صاحبان بہت توقف نہ کرینگے مسلمانوں کے ہاتھ میں اب عیسائی مذہب کے بطلان کے لئے یہ ہتھیار کافی ہے اور ایسی تحریرات جو آگے نقل کئے جاتے ہیں قرآن شریف کی صداقت پر حملہ کرنیوالوں کا منہ کالا کرنے کیلئے کافی ہیں جو آج سے پہلے بائبل کو کلام الٰہی اور قرآن شریف کو کلام انسانی کہا کرتے تھے مثلاً "نہ ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ بائبل کے مختلف صحیفے ہر صورت میں انہیں اشخاص کی تصنیف و تالیف ہیں جنکے نام سے وہ کہلاتے ہیں نہ یہ کہ وہ جیسے لکھے گئے تھے تمام و کمال اسی صورت میں محفوظ رہے اور بعد ازاں ان میں کچھ ردو بدل نہیں ہوا" "بائبل کلام اللہ نہیں ہے بلکہ اس میں کلام اللہ کا حال درج ہے اور کلام اللہ درحقیقت خود یسوع مسیح ہے" جسکا صاف الفاظ میں مطلب یہ ہوا کہ بائبل خدا کا کلام نہیں بلکہ انسانوں کا لکھا ہوا ایک قصہ ہے جس میں مسیح کا حال درج ہے ہم نہیں سمجھتے اس صورت میں بائبل کو مہابھارت پر کونسی فوقیت ہے اور مسیح میں کرشن سے بڑھکر کونسی بات پائی جاتی ہے۔

پادری صاحب یہ بھی خواہش ظاہر کرتے ہیں کہ اہل اسلام میں اگر کتب مثل ینابیع الاسلام و تاویل القرآن وغیرہ کا غور سے مطالعہ کرینگے تو وہ بھی قرآن کی نسبت اس قسم کے دعاوی کو ترک کر دینگے۔ یہ پادری صاحب کی خواہش اس لومڑی کی سی ہے جس نے کہا تھا کہ میں یہ نہیں چاہتی کہ میں سیدھی ہو جاؤں بلکہ یہ چاہتی ہوں کہ دوسری لومڑیاں بھی میری طرح کبڑی ہو جاویں۔ سو اسلام کے متعلق انکی یہ خواہش پوری نہیں ہو سکتی۔ ہم کسی دوسرے موقع پر جہاں تفصیل کی گنجائش ہوگی یہ دکھائینگے کہ قرآن شریف میں وہ امور بکثرت پائے جاتے ہیں جو انسانی طاقت سے بالاتر ہیں اور جن سے بائبل خالی ہے اور بھی بہت سے امتیازی نشان ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں مگر پادری صاحب سے میں یہ پوچھتا ہوں کہ ینابیع الاسلام پر آجتک تو آپ لوگوں کو بڑا فخر چلا آتا تھا کہ اس سے قرآن شریف کا افترا ہونا ثابت ہو گیا مگر آپ کی اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر آپکے ینابیع الاسلام کے سارے دعووں کو سچا بھی مان لیا جاوے تو اس سے زیادہ اسکا کوئی اثر نہیں کہ قرآن شریف کی حیثیت بائبل کے برابر ہو جائیگی پھر اس تمام جھوٹ سے کیا اظہار آپ لوگوں نے اس کتاب میں کیا آپ کو فائدہ تو کوئی نہ ہوا اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا ہاتھ اسلام کی حمایت میں ہے تم لوگوں نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں نکالیں تو تمہارے گھروں میں ایسے بیٹے پیدا ہوئے کہ انہوں نے تمہارے فرضی خدا کو اس سے بڑھکر گالیاں نکالیں اور ایک پاک مقدس انسان کو گالیاں نکالنے کا مزہ تمکو چکھا دیا پھر تمنے یہ عبث کوشش کی کہ قرآن کو دوسری کتابوں سے چرایا ہوا ثابت کرو تمہاری اس جھوٹ کی وجہ سے تمپر یہ لعنت پڑی کہ تمکو آج اپنے منہ سے یہ اقرار کرنا پڑا کہ بائبل کلام الٰہی نہیں نہ ان نیک لوگوں کی لکھی ہوئی ہے جنکے نام پر اسکی کتابیں مشہور ہیں نہ اس زمانہ کی ہے جس زمانہ کی تم لے کنندہ ہے نہ ہی باوجود اوروں کی لکھی ہوئی ہونیکے تحریف و تبدیل سے خالی ہے اب بتاؤ کہ تمہاری اس ساری یاوہ گوئی سے جو آجتک قرآن شریف کے متعلق کرتے رہے ہو اور جو بعض تم میں سے اب بھی کرتے ہیں تمہیں حاصل کیا ہوا صرف یہ کہ خدا نے تمہاری دجل کو دنیا پر کھولدیا اب بھی تم لوگ خدا کا خوف کرو اور ایک پاکوں کے سردار کو جھوٹا کہنے سے باز آجاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وہ سامان پیدا کر دئے ہیں جن سے تمہارا فرضی کلام اللہ اسی طرح مٹی کے نیچے دبا ہوا معلوم ہو گیا ہے جس طرح دوسری تمام انسان. تمہارے باطل عقاید کی بہتیری تذلیل ہو چکی ہے اب راہ راست پر آجاؤ۔

اسی رسالہ میں ریویو آف ریلیجنز کے جنوری کے پرچہ کے اس مضمون پر جو "ہندوستان میں عیسائی مذہب کی ناکامی کی وجہ" کے عنوان سے لکھا گیا تھا کچھ اعتراض کئے ہیں اور لکھا ہے کہ یہ ثابت نہیں کیا گیا کہ عیسائی مذہب کا کام ہو رہا ہے مجھے اسکو ثابت کرنیکی ضرورت تو نہ تھی کیونکہ ایک عیسائی کا ہی یہ سوال تھا مگر پھر بھی میں ثابت تو کر دیا تھا پادری صاحبان خود ہی اسکو دیکھیں پادری صاحب میرے اس فقرہ پر بہت خوشی کا اظہار کرتے ہیں کہ "اصل بات یہ ہے کہ آخر کار وہی مذہب سب مذاہب پر غالب آئیگا جسکی تعلیم اللہ کے متعلق اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی پاکیزہ سے پاکیزہ ہوگی" وہ سمجھتے ہیں کہ عیسائی مذہب ہی ایسا مذہب ہے اس خوشی کا کیا ٹھکانا ہے کیا خدا کی عزت اور جلال یہی ہے کہ وہ حیض کا خون ۹ ماہ تک کھائے اور پھر دوسرے انسانوں کی طرح پیدا ہو کر بچوں کی حالت میں تمام افعال اس سے سرزد ہوں جو انسانی بچوں سے ہوتے ہیں آدھی رات کو بیچاری مصیبت زدہ ماں کو اٹھکر اس کے کپڑے کو جس سے نعوذ باللہ

خدا نے پیشاب یا پاخانہ کر دیا ہو الگ کرنا پڑے اور اگر اسوقت کپڑا موجود نہ ہو تو خدا کی ماں خدا کو ننگی چارپائی پر سلائے اور وہ ٹیں ٹیں کر کے سارے گھر کو جگائے نعوذ باللہ من ذالک۔ اور پھر خدا صاحب بڑے ہوں تو باہر بچوں میں کھیلتے کھیلتے کبھی کسی کو ماریں اور کبھی کسی سے مار کھائیں اور ماں کو شکایتوں سے تنگ کریں کبھی آپکے پیٹ میں درد ہو تو ماں بے چین ہو کر آدھی رات کو طبیب کے گھر جائے اگر آپ لوگوں کو ایسا خدا پسند آگیا ہے تو دوسرا کوئی کیا کر سکتا ہے اس سے تو بہتر تھا کہ آپ بتوں کو خدا مان لیتے ہمارا قرآن تو وہ خدا پیش کرتا ہے جو تمام انسانی نقصوں سے پاک اور مبرا ہے اور تمام اعلیٰ صفات سے متصف۔ وہ کبھی کھانے کو نہیں مانگتا جیسا یسوع مانگا کرتا تھا بلکہ وہ خود دنیا کو کھلاتا ہے ہاں انسان کا فخر اس میں ہے کہ وہ ترقی کر کے ان پاکیزہ صفات کو حاصل کرے یہی تعلیم اسلام کی ہے۔

مسیحی دین اور اخلاق: جسکو پادری علی بخش صاحب نے ترجمہ کر کے شایع کیا ہے بغرض ریویو ہمارے پاس پہنچی ہے۔ میں حیران ہوں کہ وہ کونسے اخلاق ہیں جو مسیحی دین سے وابستہ ہیں اگر مسیحی دین نے خصوصیت سے کوئی بات اپنے پیروؤں میں پیدا کی ہے تو وہ کثرت شراب نوشی قمار بازی اور کئی قسم کی بے اعتدالیاں ہیں خود شرابخوری ہی ساری بداخلاقیوں کی جڑ ہے عملی حالت تو یہ ہے اور اگر اس مذہب کی بنیاد کو دیکھا جاوے تو وہ کفارہ کے عقیدہ پر ہے فلسفیانہ رنگ میں جو چاہو اسکو سمجھ لو مگر ہر ایک دانشمند آسانی سے اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ عوام پر کفارہ کے عقیدہ کا اثر کیا ہونا چاہئے جس صورت میں انکو یہ یقین دلایا جاتا ہے کہ تمہارے گناہ مسیح نے اٹھا لئے تو ضرور ہے کہ گناہ پر دلیر ہوں پس جبتک عقاید کو درست نہیں کیا جاتا اسوقت تک ایسی کتابیں لکھنا کاغذوں کو سیاہ کرنے سے بڑھکر کچھ وقعت نہیں رکھتا بائبل سوسائٹی سے ۸ر قیمت پر ملتی ہے۔

مکالمہ مسلمان و آریہ۔ بیس صفحہ کا رسالہ ہے ۲ر قیمت پر رفیق ہند ایجنسی امرتسر سے مل سکتا ہے۔

یادگار کریم۔ منشی محمد نواب خان صاحب ثاقب نے ایک نظم حضرت مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم کے متعلق لکھی ہے اس قابل ہے کہ ہر احمدی اسکو پڑھے مرحوم کی سچی یادگار ہے گویا عبد الکریم کو ہو بہو آنکھوں کے سامنے لے آتی ہے حضرت اقدس نے بھی اسے سنا اور بہت پسند فرمایا قیمت صرف ۲ر ہے مصنف سے مقام مالیر کوٹلہ سے مل سکتی ہے جو احباب ایک دو روپے آسانی سے خرچ کر سکتے ہیں وہ متعدد جلدیں منگوا کر غریب دوستوں میں مفت تقسیم کریں۔

رسالہ تشحیذ الاذہان: قادیان سے سہ ماہی نکلنا شروع ہوا ہے جسکا پہلا نمبر یکم مارچ کو شایع کیا گیا ہے اس سلسلہ کے نوجوانوں کی ہمت کا نمونہ ہے خدا تعالیٰ اسمیں برکت دے چندہ سالانہ ۱۲ر ہے اس رسالہ کے ایڈیٹر مرزا بشیر الدین محمود احمد حضرت اقدس کے صاحبزادہ ہیں اور پہلے نمبر میں چودہ صفحوں کا ایک انٹروڈکشن انکی قلم سے لکھا ہوا ہے جماعت تو اس مضمون کو پڑھیگی۔ مگر میں اس مضمون کو مخالفین سلسلہ کے سامنے بطور ایک ثبوت دلیل کے پیش کرتا ہوں جو اس سلسلہ کی صداقت پر گواہ ہے خلاصہ مضمون یہ ہے کہ جب دنیا میں فساد پیدا ہو جاتا ہے اور لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ کو چھوڑ کر معاصی میں بکثرت مبتلا ہو جاتے ہیں اور مردار دنیا پر گدوں کی طرح گر جاتے ہیں اور آخرت سے بالکل غافل ہو جاتے ہیں تو اسوقت میں ہمیشہ سے خدا تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ وہ انہی لوگوں میں سے ایک نبی کو مامور کرتا ہے کہ وہ دنیا میں سچی تعلیم

پھیلاتے اور لوگوں کو خدا کی حقیقی راہ دکھلاتے پر لوگ جو معاصی میں بالکل اندھے ہوئے ہوتے ہیں وہ دنیا کے نشہ میں مخمور ہونے کی وجہ سے
ان نبی کی باتوں پر ہنسی کرتے ہیں اور ان کو دکھ دیتے ہیں اور اسکے ساتھیوں کو ایذائیں پہنچاتے ہیں اور اس سلسلہ کو ہلاک
کرنا چاہتے ہیں مگر چونکہ وہ سلسلہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے اسلئے انسانی کوششوں سے ہلاک نہیں ہوتا بلکہ وہ نبی اس حالت میں اپنے مخالفین
کو پیش از وقت اطلاع دیدیتا ہے اور آخر کار وہی مغلوب ہونگے اور بعض کو ہلاک کر کے خدا دوسروں کو راہ راست پر لے آویگا سو ایسا
ہی ہوتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے جو ہمیشہ سے چلی آتی ہے ایسا ہی اسوقت میں ہوا پھر مختصر طور پر یہ بتایا ہے کہ کسطرح پر آج سے
بیس پچیس برس پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھکر یہ پیشگوئیاں شایع کی تھیں کہ خدا تعالیٰ ایک سلسلہ قایم کرے گا
اور لوگ آپ کی طرف بکثرت رجوع کرینگے اور مخالف اس سلسلہ کو ہلاک کرنے کی کوشش کرینگے مگر وہ خود ہی انی مهین من اراد اہانتک
کے مصداق ہونگے پھر یہ ذکر کیا ہے کہ کسطرح جیسے جب انبیاء سابقین کی تکذیب حد سے گذر گئی تو خدا نے انکے مخالفوں پر عذاب
بھیجے تاکہ وہ تضرع اختیار کریں ایسا ہی یہاں بھی ہوا اسکے بعد اپنی جماعت کے نوجوانوں کو خطاب کر کے لکھا ہے جسکو میں ان کے
اصل الفاظ میں نقل کرتا ہوں "اے میرے احمدی بھائیو! اگر ہم نے خدا تعالیٰ کے ایک فرستادہ کو مانا ہے تو یہ نہ سمجھنا
چاہیے کہ اب ہم بالکل سبکدوش ہو گئے ہیں بلکہ ہم نے اپنے سر پر ایک بار گراں اٹھا لیا ہے دین کو دنیا پر مقدم کرنا کوئی ایسی
بات نہیں جو زبان سے کہدینے پر اس سے خلاصی ہو جائے نہیں بلکہ اسکے لیے بڑی قربانی کی ضرورت ہے اگر ہمکو دین اسلام کی مدد کرنیکا
جوش نہیں تو بخدا ہم نہایت ہی سخت ٹوٹا پانیوالوں میں ہیں وہ دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے کہ جسمیں اسلام کی محبت نہ ہو اور وہ
آنکھ جو اسلام کی ترقی دیکھنے کی مشتاق نہیں پھوٹ جائے تو بہتر ہے ٹوٹ جائیں وہ ہاتھ جو اسلام کی مدد سے قاصر ہیں۔
رونیکا مقام ہے اگر ہم اسلام کی ترقی کی کوشش میں کچھ بھی سستی کریں اے غیور خدا تو دیکھتا ہے کہ اسلام پر شرک نے
کیسے کیسے حملے کئے ہیں پس ہماری مدد کر کہ ہم تیرے مسیح کے ساتھ ساتھ شرک کے توڑنے میں لگے رہیں" میں اس مضمون کو
اس سلسلہ کی صداقت پر گواہ خصوصاً اس وجہ سے نہیں ٹھہراتا کہ ان دلائل کو کوئی مخالف توڑ نہیں سکتا یہ دلائل پہلے بھی
کئی دفعہ پیش ہو چکے ہیں مگر اس دلیل سے جو دیں میں سلسلہ کی صداقت پر گواہ کے طور پر اسوقت کل مخالفین کے سامنے پیش
کرنا چاہتا ہوں وہ اس مضمون کا آخری حصہ ہے جسکو میں صاحبزادہ کے اپنے الفاظ میں نقل کیا ہے اسوقت صاحبزادہ کی عمر اٹھارہ
انیس سال کی ہے اور تمام دنیا جانتی ہے کہ اس عمر میں بچوں کا شوق اور امنگیں کیا ہوتی ہیں زیادہ سے زیادہ اگر وہ کالجوں میں
پڑھتے ہیں تو اعلے تعلیم کا شوق اور آزادی کا خیال انکے دلوں میں ہوگا مگر دین کی یہ ہمدردی اور اسلام کی حمایت کا یہ جوش جو ان بے تکلف
الفاظ سے ظاہر ہو رہا ہے ایک خارق عادت بات ہے صرف اسی موقع پر نہیں بلکہ ہر دیکھا ہے کہ ہر موقع پر یہ دلی جوش انکا ظاہر ہوتا
ہے چنانچہ ابھی میر محمد اسحاق کے نکاح کی تقریب پر چند اشعار انہوں نے لکھے تو ان میں بھی دعا ہے کہ اے خدا تو ان دونوں اور انکی اولاد کو خادم دین بنا
برخوردار عبد الحی کی آمین کی تقریب پر اشعار لکھے تو ان میں یہی دعا بار بار کی ہے کہ اسے قرآن کا سچا خادم بنا ایک اٹھارہ برس کے نوجوان کے دل میں اس جوش اور
ان امنگوں کا بھر جانا معمولی امر نہیں کیونکہ یہ زمانہ سب سے بڑھکر کھیل کود کا زمانہ ہے اب وہ سیاہ دل لوگ جو حضرت مرزا صاحب کو مفتری کہتے ہیں اسبات کا
جواب دیں کہ اگر یہ افترا ہے تو یہ سچا جوش اس بچہ کے دل میں کہاں سے آیا جھوٹ تو ایک گندہ بیج ہے اسکا اثر تو چاہیئے تھا کہ گندہ ہوتا۔

نہ ہو کہ ایسا پاک اور نورانی جسکی کوئی نظیر ہی نہیں ملتی اگر ایک انسان افترا کرتا ہے تو اگرچہ وہ باہر کے لوگوں سے اس افترا کو چھپا بھی لے مگر اپنے ہی بیوی بچوں سے جو ہر وقت اسکے ساتھ رہتے ہیں چھپا نہیں سکتا وہ اسکی ہر ایک حرکت اور سکون کو دیکھتے ہیں ہر ایک گفتگو کو سنتے ہیں اور ہر موقع پر اسکے خیالات کو ظاہر ہوتا ہوا دیکھتے ہیں پس اگر افترا ہو تو ضرور ہے کہ وہ افترا کسی نہ کسی وقت اسکے اپنے بچوں اور بیوی پر ظاہر ہو جاوے۔ اے بدقسمت لوگو! غور کرو اگر کیا مفتری کی اولاد جو اسکے افترا کے زمانہ میں پیدا ہو اور افترا کے زمانہ میں پرورش پاوے ایسی ہوا کرتی ہے؟ کیا تمہارے دل انسانی دل نہیں جو ان باتوں کو سمجھ نہیں سکتے اور ان سچے خیالات کا ان پر کچھ اثر نہیں ہوتا کیوں تمہاری سمجھیں اُلٹی ہو گئی ہیں غور کرو کہ جسکی تعلیم اور تربیت کا یہ پھل ہے وہ کاذب ہو سکتا ہے؟ اگر وہ کاذب ہے تو پھر دنیا میں صادق کا کیا نشان ہے؟۔

طبیب حاذق: ۔ کئی ماہ سے قادیان سے نکلتا ہے اس رسالہ کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس میں مستقل طور پر حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب بھیروی سابق طبیب شاہی ریاست کشمیر کے بیاض کا ایک حصہ نکلتا ہے چندہ سالانہ عہ ہے۔ منیجر طبیب حاذق قادیان سے مل سکتا ہے

وطن اور ریویو آف ریلیجنز

ایڈیٹر صاحب اخبار وطن نے اشاعت اسلام کا جو چندہ اس غرض سے شروع کیا تھا کہ اس روپے سے ریویو آف ریلیجنز کی کاپیاں ممالک بیرونی میں تبلیغ اسلام کے لئے بھیجی جاویں اخیر ۹۔ مارچ کے پرچہ میں اسکے بند کرنیکا اعلان کر رہا ہے فالحمد للہ علی ذلک مولوی انشاء اللہ خانصاحب روتے ہیں اس بات پر کہ قوم متفق ہو کر کوئی کام نہیں کر سکتی اور اسکو بار بار قومی کے نام سے پکارتے ہیں مگر مجھے رونا آتا ہے اس بات پر کہ جبھی زندہ اسلام کا نام لیا گیا اور جبھی یہ کہا گیا کہ ہم غیر مسلم اقوام کے سامنے زندہ اسلام کو پیش کرینگے اور اس اسلام کی تبلیغ کرینگے جو اپنے اندر اس زمانہ میں بھی وہی برکات رکھتا ہے جو اپنے بانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں رکھتا تھا تو ایڈیٹر وطن ایسا فاضل انسان ہم سے ناراض ہو گیا یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ وطن کے ناظرین بھی سب کے سب ایڈیٹر صاحب کی رائے سے اتفاق کریں گے مگر خود ایڈیٹر صاحب نے جو کچھ خیالات کا اظہار کیا ہے وہ بتا رہا ہے کہ اسلام کی کیا حالت ہو گئی ہے افسوس تو یہ ہے کہ وہ نہ صرف مردہ ایمان پر قانع ہیں بلکہ زندہ اسلام سے ایسی نفرت ظاہر کرتے ہیں کہ یہ گوارا بھی نہیں کر سکتے کہ زندہ اسلام کا نام انکے سامنے آئے اے مسلمانو! خدا کے لئے غور کرو کیوں اپنے پاک مذہب کو لوگوں کے سامنے بدنام کر رہے ہو جو فضیلت اللہ تعالیٰ نے تمہارے مذہب کو دوسرے تمام مذاہب پر دی ہے کیوں اس کا انکار کرتے ہو قوم قوم پکارنے سے کیا بنیگا جب تمہارے دلوں میں وہ ایمان ہی نہیں جو اس قوم کا رہبر لایا تھا ہائے افسوس ہلکو یہ کہا جاتا ہے کہ تم اتفاق نہیں کرنے لگے کیا اس بات پر اتفاق کر لیں کہ اسلام ایک مردہ مذہب ہے اور اسکو دوسرے مذاہب پر کوئی فوقیت اور کوئی مابہ الامتیاز حاصل نہیں خدا دلوں سے کہ اس بات پر مسلمانوں کا اتفاق ہو غور کرو کہ اگر سچی اور جھوٹی تعلیم

کے اثر میں کوئی فرق نہیں تو پھر ایک خدا یا تین خداؤں کے ماننے میں فرق کیا ہوا فلسفیانہ دلائل تم اپنے دیتے جاؤ گے وہ اپنے دیتے جائیں گے اسلام کا یہ فخر تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ فضیلت تھی کہ تمام انبیائے سابقین کی وحی منقطع ہو گئی اور انکے معجزات قصوں کے رنگ میں رہ گئے اور انکی امتیں خالی ہاتھ رہ گئیں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ وحی منقطع ہوئی نہ معجزات پیچھے رہ گئے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل پیروی کرنیوالوں کو وہ برکات اس زمانہ میں بھی اسی طرح ملتی ہیں جس طرح گذشتہ زمانہ میں ملتی تھیں اگر واقعی اسلام کے دائرہ کے اندر عقاید کی اصلاح کا نام لینا گناہ میں داخل اور اشاعت اسلام کے مفہوم کے خلاف ہے تو اسلام کا خدا حافظ۔ ہاں مولوی انشاء اللہ خانصاحب اور انکے ناظرین کا یہ حق تھا کہ وہ یہ لکھتے کہ یہ عقاید جنکو ہم پیش کرتے ہیں قرآن شریف کی تعلیم کے خلاف ہیں نہ اسلام زندہ مذہب ہے نہ اسمیں وہ انعامات اور برکات پائے جاتے ہیں جو ہمیشہ اولیاء اللہ کو ملتے رہے نہ بزور شمشیر دین کا پھیلانا برا ہے نہ یہ امت خیر الامم ہے یہ جو بار بار کہا جاتا ہے کہ ان عقاید کو پھیلاؤ جس پر تمام مسلمان متفق ہیں مجھے تو اسکا مطلب سمجھ نہیں آتا کیا انکی کوئی فہرست تیار شدہ ہے انہیں مسلمانوں میں شیعوں کا وہ گروہ بھی ہے جو نہ صرف صدیق اور فاروق اور تمام صحابہ کو برا کہتے ہیں بلکہ قرآن شریف کو بھی ناتمام کہتے ہیں اور دس سیپارے مہدی غائب کے قبضہ میں بتاتے ہیں۔ مولوی انشاء اللہ خانصاحب! برائے خدا آپ غور کریں کہ آپنے کیا لکھا ہے باتیں کر لینا یا لکھ دینا تو آسان کام ہے مگر آپ کھول کر اپنی پوزیشن کو تو بیان فرماویں خود تو آپ اسی اخبار میں اسلامی شعار کی کھلی کھلی بیحرمتی کر کے بھی حنفی المذہب ہیں مگر دوسرا شخص اسلام کو زندہ کہکر آپکے متفق علیہ مذہب سے خارج ہو گیا بیحرمتی اسلئے کہ آپنے اسی پرچے میں یہ کھلے کھلے طور پر لکھدیا ہے کہ مسلمانوں کو قربانیاں نہیں دینی چاہئیں بلکہ "اپنی قربانیوں کی قیمت مذہبی یا اخلاقی فائدے کے کاموں میں صرف کر دیا کریں مثلاً حجاز ریلوے فنڈ کو دیدیں" اور اسکے ساتھ آپنے یہ نوٹ بھی دیا ہے کہ آپ اس بدعت پر بھی عمل کرتے ہیں "نیاز مند ایڈیٹر وطن عمداً یہ تحریک پیش کر چکا ہے بلکہ اس کا اپنا طریق عمل بھی اب یہی ہے" پس اگر آپ قربانی کی پاک رسم کو صرف ترک نہیں بلکہ اسکو منسوخ کرنیکی کوشش کر کے بھی متفق علیہ عقاید کے دائرہ کے اندر ہی رہتے ہیں تو میں اسلام کو زندہ کہکر کیوں اس دائرے سے خارج ہو گیا اور اگر آپ کے مسلمان آپکے ایسے ایسے عقیدوں کے باوجود (اور یہی سنا ہے کہ آپ سر سید احمد خاں کی طرز پر سود کو بھی جائز قرار دیتے ہیں) وطن کے پرچوں کی مدد دے سکتے ہیں جو طالب علموں اور علماء میں پھیلائے جائیں گے تو ایک ایسے رسالہ کی غیر مسلموں میں اشاعت کیلئے مدد کرنا کیونکر گناہ ہو گیا جو اسلام کو ایک زندہ اور بابرکت مذہب کے رنگ میں لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے اور ان تمام عقاید سے بیزار ہے جو خدائے تعالیٰ کی توحید کے منافی یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلمہ فضیلت کے خلاف ہوں پھر میں کہتا ہوں کہ جو شخص اسلام کو غیر اقوام کے سامنے پیش کریگا وہ اپنے عقاید کے مطابق نہ کریگا تو اور کیا کریگا بعض فروعی مسائل کو اگر الگ بھی رکھا جاوے تاہم اصولی مسائل تو بالکل جدا نہیں ہو سکتے پس کسی تجویز کا یہ منشاء تو ہو نہ سکتا تھا کہ ہم اپنے عقاید کے خلاف کوئی اور اسلام پیش کرینگے مرزا صاحب کے مشن سے الگ کرنا اس سے مراد حضرت مرزا صاحب کا دعوی اور دلائل سے الگ کرنا تھا اور میں دیکھونگا کہ اگر آپ یعنی غیر احمدی لوگ کبھی کوئی اسلامی مذہبی رسالہ بغرض اشاعت اسلام نکالیں تو اسمیں کونسا اسلام پیش کرتے ہیں اور کل دنیا کے علماء اس ایک لکھنے والے سے کیونکر اتفاق کرتے ہیں

بہر حال میں اب آپ کو الوداع کہتا ہوں۔

چند حرف اسجگہ ان احمدی احباب سے بھی کہنا چاہتا ہوں جنکو بعض غلط فہمیوں کی وجہ سے دھوکا لگا ہے اکثر احمدی احباب نے جو اس موقع پر قومی جوش اور حمیت دکھائی ہے وہ قابل تعریف ہے اگرچہ اب یہ ورق الٹایا جا چکا ہے مگر بعض اعتراضوں کا مختصر جواب دیتا ہوں اول ہم کبھی امداد کے خواہاں نہیں ہوئے اور کیونکر ہو سکتے تھے جب ہم خدا کا ہاتھ اس سلسلہ کی تائید میں کام کرتا ہوا دیکھتے ہیں اصل بات یہ ہے کہ غیر احمدیوں میں دو گروہ ہیں ایک گروہ ان منافقین مکذبین کا ہے جو اس سلسلہ کی تکفیر کرتے ہیں اسے گالیاں نکالنا ثواب سمجھتے ہیں بلکہ انکے مال چرا لینا انکے خلاف جھوٹ بول لینا ایسے ہر ایک شنیع فعل کو ثواب سمجھتے ہیں ان لوگوں کا اس تحریک میں کوئی حصہ نہ تھا بلکہ انہوں نے اس تجویز کی بھی زور شور سے مخالفت کی دوسرا گروہ وہ ہے اور وہی بڑا گروہ ہے جو آہستہ آہستہ اس سلسلہ کی طرف حرکت کرتا چلا آرہا ہے اور انکو ایسا عناد اس سلسلہ سے نہیں جیسا گروہ اول کو جب اس فریق کو یہ معلوم ہوا کہ ریویو آف ریلیجنز باہر دنیا میں کیا کام کر رہا ہے اور یہ امر اخبار وطن میں شہرت پا گیا تو انہوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ اسکی اشاعت میں وہ لوگ بھی مدد دینے کو طیار ہیں اور اشاعت اسلام کے ثواب میں ہمارے شامل ہونا چاہتے ہیں بشرطیکہ حضرت مرزا صاحب کے دعاوی کا اسمیں ذکر نہ ہو ان سب کو نفی میں جواب لکھا گیا اور یہ وطن کی تحریک سے پہلے کا ذکر ہے اسکے بعد ایڈیٹر صاحب وطن کی طرف سے تحریک ہوئی اسکا جواب بھی نفی میں دیا گیا انکے اصرار پر اور بار بار لکھنے پر خواجہ صاحب کے ذہن میں یہ تجویز آئی جس کا ماحصل یہ تھا کہ حضرت مرزا صاحب کے دعوے کے لئے چند اوراق الگ کر دئے جاویں اس سے یہ نتائج نکالنا کہ "مرزا صاحب کا وجود اشاعت اسلام میں روک ہے" یا یہ کہ "مسیح موعود کی ضرورت نہ ہوئی" یا یہ کہ "رسالہ بغیر دوسروں کی مدد کے کامیاب نہیں ہوا" یا یہ کہ "مولوی انشاء اللہ خاں نے احمدی عقاید سے توبہ کرالی" یہ اعتراض مخالفین کے انکی اسی قسم کی بیہودہ گوئی ہے جیسے وہ ہمیشہ سے کرتے ہیں افسوس ان دین کی تجویزوں پر وہ صلح حدیبیہ کی شرائط پر غور کرتے مگر اسجگہ تو اس قسم کی بھی کوئی شرط نہ تھی سوئے رنگ میں میں مضامین کو تین قسم پر تقسیم کرتا ہوں اول بعض فروعی مسائل اور بعض اعتراضوں کے جواب جیسے تعداد ازواج طلاق وغیرہ جو شریعت اسلام کے احکام پر کئے جاتے ہیں انکا جواب ہم اس رسالہ میں دے سکتے تھے کیونکہ شریعت اسلام نہ تبدیل ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے دوم اسلام کی فضیلت اور اسکے اصول کی صداقت کے دعاوی اور سوم ان دعاوی کے دلائل انہیں سے دوسری قسم کے مضامین کو اگر پیش نہ کیا جاوے تو رسالہ نکالنا ہی عبث ہے اور انہیں میں سب سے اہم مسئلہ اسلام کے زندہ اور بابرکت مذہب ہونیکا ہے چونکہ ہم اسکو چھوڑ نہ سکتے تھے اسلئے اسکی تصریح کر دی گئی تھی کہ ہم زندہ اسلام کو پیش کرینگے تیسری قسم کے مضامین خالص ضمیمہ میں رہتے کیونکہ قطعی اور یقینی دلائل اسلام کے زندہ اور بابرکت اور سچا منجانب اللہ مذہب ہونیکے اس زمانہ میں صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعاوی اور ان دعاوی کے دلائل میں ہی پائے جاتے ہیں اگرچہ اس سے پہلے بھی خدا نے کسی صدی میں اسلام کو ایسی شہادت کے بغیر نہیں چھوڑا یہ مسلمانوں کی کمزوری تھی مگر ہمارا اسمیں چنداں نقصان نہ تھا کہ دعوے کو ایک حصہ رسالہ میں پیش کر دیتے اور اسکے دلائل کو دوسرے حصہ میں جو شخص دعوے کو دیکھتا اسکے دل میں اگر کوئی طلب حق ہوتی تو وہ خود دلائل کا بھی طالب ہوتا علاوہ ازیں بالضمیمہ رسالے صرف وہی جاتے جو غیر احمدیوں کی طرف سے ہوتے اور احمدی احباب کی طرف سے بدستور سابق اشاعت ہوتی رہتی یہ وہ تجویز تھی جسکو وطن نے ۹۔ فروری کو شروع کر کے ۹۔ مارچ کو ختم کیا اور خدا کا شکر ہے کہ قبل اسکے کہ ہم ان سے ایک پیسہ بھی لیتے

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود

یکم فروری ۱۹۰۶ء (۱) تتبعہا الرادفۃ۔ ترجمہ اسکے پیچھے پیچھے آئیگی پیچھے آنیوالی یعنی ایک زلزلہ آیا اسکے بعد ایک اور آنیوالا ہے (۲) پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی (۳) واما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض۔ ترجمہ اور جو چیز لوگوں کو نفع دینے والی ہے وہی زمین میں ٹھہریگی یعنی جو انسان خلقت کو فائدہ پہنچانیوالے ہیں انکو زندگی عطا کی جاویگی۔ ۳۔ فروری ۱۹۰۶ء رات کے تین بجے کے قریب جبکہ بادل نہایت زور سے گرج رہا تھا الہام ہوا اٹھو نمازیں پڑھیں اور قیامت کا نمونہ دیکھیں فرمایا اسوقت ہمارا شغل یہی ہوگا کہ نمازیں پڑھیں اور خدا کی قدرت کا نظارہ دیکھیں۔ ۸۔ فروری ۱۹۰۶ء (۱) زمین کہتی ہے یا نبی اللہ کنت لا اعرفک ترجمہ اے اللہ کے نبی میں تجھے نہیں پہچانتی تھی (۲) اک دانہ کس کس نے کھانا۔ یخرج ھمہ وغمہ دوحۃ اسمٰعیل فاخفہا حتی تخرج ترجمہ اسکا ہم اور غم باہر نکال دیگا اسمٰعیل کے درخت کو پس اسکو پوشیدہ رکھ یہانتک کہ وہ ظاہر ہوجاوے ۸۔ فروری ۱۹۰۶ء خواب میں دیکھا کہ "ہماری باغ کے قریب ایک نہر رواں ہے میں کہتا ہوں کہ اب باغ جلد چند روز میں پرورش پا جائیگا اور اگر پانی بھی ملیگا تب بھی سرسبز ہوجائیگا" میرے نزدیک اسکی تعبیر یہ ہے کہ باغ سے مراد اپنی جماعت ہے اور نہر سے مراد نصرت اور تائید الٰہی ہے جو نشانوں کے رنگ میں ظاہر ہوگی ۱۰۔ فروری ۱۹۰۶ء "دیکھا کہ ایک جماعت کثیر میرے پاس کھڑی ہے ایک حاکم آیا اور اس نے کھڑے ہوکر کہا کہ کیوں اس جماعت کو منتشر نہ کیا جائے میں نے کہا کہ اس جماعت میں کوئی مخالف نہیں صرف تعلیم لیتے ہیں پھر اس حاکم نے کہ گویا وہ ایک فرشتہ تھا آسمان کی طرف منہ کرکے ایک دو باتیں کیں جو سمجھ نہیں آئیں پھر اس نے مجھے مخاطب کرکے کہا کہ سلام اور چلا گیا" ۱۱۔ فروری ۱۹۰۶ء الہام ہوا پہلی بنگالہ کی نسبت جو کچھ حکم جاری کیا گیا تھا اب انکی دلجوئی ہوگی ۱۱۔ فروری ۱۹۰۶ء اول کسی نے کہا کرنسی نوٹ پھر ایک کتاب مجھے دکھائی گویا وہ کرنسی نوٹ تھی اور پھر الہاماً میری زبان پر جاری ہوا دیکھو میرے دوستو اخبار شائع ہوگیا فرمایا اخبار سے مراد خبر ہے ۱۶۔ فروری ۱۹۰۶ء رب اشف زوجتی ھٰذہ واجعل لہا برکات فی السماء وبرکات فی الارض۔ ۱۹ فروری ۱۹۰۶ء عورت کی چال ایلی ایلی لما سبقتانی بریت۔ واذ کففت عن بنی اسرائیل ۔ ۱۹۔ فروری ۱۹۰۶ء "دیکھا کہ منظور محمد صاحب کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے اور دریافت کرتے ہیں کہ اس لڑکے کا کیا نام رکھا جائے" تب خواب سے حالت الہام کی طرف چلی گئی اور یہ معلوم ہوا بشیر الدولہ فرمایا کئی آدمیوں کیواسطے دعا کیجاتی ہے معلوم نہیں کہ منظور محمد کے لفظ سے کسکی طرف اشارہ ہے ۲۵۔ فروری ۱۹۰۶ء الہام۔ دردناک دُکھ اور دردناک واقعہ اسکے بعد رؤیا میں دیکھا کہ "کوئی خادمہ عورت جو اپنے تعلق والوں میں سے کسی گھر کی ہے آئی ہے اور کہتی ہے کہ میری بیوی لیکایک مرگئی یہ سنکر میں اٹھا ہوں کہ اپنے گھر میں اطلاع کروں کہ پہلا الہام پورا ہوگیا اور پگڑی لی اور عصا ہاتھ میں لیا اور چلنے کو تھا کہ بیداری ہوگئی"

یکم مارچ ۱۹۰۶ء۔ زلزلہ آنیکو ہے فرمایا اسکے معنے یہ ہیں کہ اسی زلزلہ کو جو اصل زلزلہ نہ سمجھو بلکہ سخت زلزلہ آنیکو ہے ۷۔ مارچ ۱۹۰۶ء
ھا اتی آخر تلک۔ ۹۔ مارچ ۱۹۰۶ء زلزلہ آنیکو ہے رب لا ترنی موت احد منہم یعنی اے میرے رب انمیں سے کسی کی
موت مجھے نہ دکھلا۔ رب لا ترنی زلزلۃ الساعۃ (ترجمہ۔ اے میرے رب مجھکو زلزلۃ الساعۃ نہ دکھا یعنی اسکی گھبراہٹ اور
فزع نہ دکھا یو) پھر الہام ہوا ہمارے لئے عید کا دن۔ بعد اسکے یہ الہام ہوا جس سے تو بہت پیار کرتا ہے میں اس سے بہت
پیار کرونگا اور جس سے تو ناراض ہے میں اس سے ناراض ہونگا یعنی تیرا کسی سے محبت کرنا اسکو ایسی آفت سے بچا لیگا اور تیرا کسی پر ناراض
ہونا اسکو ایسی آفت میں مبتلا کریگا اور پھر الہام ہوا اینما تولوا فثم وجہ اللہ۔ یعنی جسطرف تیرا منہ ہوگا اسی طرف خدا کا بھی منہ ہوگا
یعنی جس سے تجھے محبت ہوگی خدا بھی اس سے محبت کریگا اور اسے بچا لیگا پھر الہام ہوا خدا نے تیری ساری باتیں پوری کر دیں یعنی
خدا تمام کام تیری مراد کے موافق کریگا پھر الہام ہوا واما نرینک بعض الذی نعدھم او نتوفینک۔ اور وہ تمام عذاب
جو مخالفین منکرین ظالمین کے لئے خدا کا وعدہ ہے خدا یا تو انمیں سے کچھ تجھ کو دکھلا دیگا اور یا تجھے وفات دیگا اور بعد میں وہ سب کچھ پورا
کریگا یاد رہے کہ قرآن شریف کی طرز بیان کے موافق اس آیت کے یہ معنے ہیں کہ خدا میری زندگی میں مخالفین کو بشرط نہ کرنے
توبہ کے انکی زبان درازیوں اور شوخیوں کی کچھ سزا دیگا کیونکہ انہوں نے تقوے سے کام نہ لیا اور پھر الہام ہوا قل ان صلوتی ونسکی
ومحیای ومماتی للہ رب العالمین یعنی کہہ کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا محض خدا کے لئے ہے جو رب العالمین
ہے نہ کسی اور کام کے لئے اور پھر الہام ہوا رب ارنی آیۃ من السماء یعنی اے میرے رب مجھے آسمان سے ایک نشان دکھلا۔
اور پھر زلزلہ کی طرف اشارہ کرکے یہ الہام ہوا اکرام مع الانعام یعنی اس نشان کے ظہور کیوقت خدا ایک عزت دیگا جسکے
ساتھ ایک انعام ہوگا۔ ۱۱۔ مارچ ۱۹۰۶ء الہام چو دور خسروی آغاز کردند۔ مسلماں را مسلماں باز کردند ۱۲ مارچ ۱۹۰۶ء
انی مع الافواج آتیک بغتۃ ولنجعل لک سھولۃ فی کل امر ان ربک فعال لما یرید۔ ۱۳ مارچ ۱۹۰۶ء ۱۔
مردوں کو جیتے پاؤ ساتھ نہیں دیکر عورتیں نہ جائیں ۲۔ انا اعطیناک الکوثر فصل لربک وانحر ان شانئک ھو الابتر ۳۔ ان
احد من المشرکین استجارک فاجرہ ۴۔ سواء علیھم ءانذرتھم ام لم تنذرھم لا یؤمنون ۱۴ مارچ ۱۹۰۶ء۔
رویا میں معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں انت سلمان ومنی یا ذا البرکات۔ پھر الہام ہوا چمک دکھلاؤنگا
تمکو اس نشان کی پنج بار (یعنی نشان زلزلہ) ۱۳۔ مارچ ۱۹۰۶ء رویا خواب میں دیکھا کہ ”میر ناصر نواب صاحب اپنے ہاتھ پر ایک درخت
رکھکر لائے ہیں جو پھلدار ہے اور جب مجھکو دیا تو وہ بڑا درخت ہوگیا جو بیدانہ توت کے درخت کے مشابہ تھا اور نہایت سبز تھا
اور پھلوں اور پھولوں سے بھرا ہوا تھا اور پھل اسکے نہایت شیریں تھے اور عجیب تر یہ کہ پھول بھی شیریں تھے مگر معمولی درختوں سے نہیں تھا ایک
ایسا درخت تھا کہ کبھی دنیا میں دیکھا نہیں گیا میں اس درخت کے پھل اور پھول کھا رہا تھا کہ آنکھ کھل گئی میری دانست میں
میر ناصر سے مراد خدا تعالیٰ ناصر ہے کہ وہ ایک عجیب طور پر مدد کریگا جو فوق العادت ہوگی“ ۱۵۔ مارچ ۱۹۰۶ء خدا کا نزول ہوگا ۲۔ انت منی بمنزلۃ بروزی (۳)
وصل الایمان وعد الابدال یعنی خدا اپنے پنج زلزلوں کے ساتھ اپنا چہرہ ظاہر کریگا اور اپنے وجود کو دکھلا دیگا تو مجھ سے ایسا ہے جیسا کہ میں تجھ سے۔

یعنی تیرا ظہور بعینہ میرا ظہور ہوگا یہ خدا کا وعدہ ہے کہ پنج زلزلوں کے ساتھ اپنی تجلی ظاہر کریگا اور خدا کا وعدہ نہیں ٹلیگا وہ ضرور ہو کر رہیگا۔ ۱۴ مارچ ۱۹۰۶ء۔ مقام او مبیں از راہ تحقیر بدورانش رسولاں ناز کردند

ڈاکٹر عباد اللہ صاحب امرتسر

چندہ اعانت دینے والوں کی فہرست لغایت ضروری سنہ ۱۹۰۶ء

ڈاکٹر یعقوب خان سونہ ضلع شاہپور للعہ۔ منشی نیاز محمد للعہ۔ منشی نیاز محمد خان صاحب مدرس منگ للعہ۔ بابو محمد علیخان صاحب ڈرنری اسسٹنٹ انبالہ عصہ۔ سید ناصر شاہ صاحب جموں ۔ میاں غلام احمد ساکن کھاریاں عہ۔ منشی محمد حسین صاحب رائے کوٹ للعہ۔ منشی علی گوہر صاحب وٹرنری اسسٹنٹ میرٹھ عا۔ ڈاکٹر چھجو خان صاحب وٹرنری اسسٹنٹ میرٹھ للعہ۔ منشی نذیر الدین صاحب بھاموں عہ۔ بابو محمد آلہی صاحب کوہاٹ عا۔ جماعت انبالہ عصہ۔ شیخ ضیاء اللہ صاحب بانسہرہ صہ۔ منشی نور احمد صاحب چنار کفل للعہ۔ شیخ عمر بخش صاحب پلیڈر لاہور سے۔ بابو برکت علی صاحب کلرک شملہ عا۔ جماعت کوہاٹ ہم۔ حکیم غلام نبی صاحب زبدۃ الحکما لاہور للعہ۔ جماعت پشاور عبہ۔ حکیم فضل الدین صاحب قادیان لعہ۔ منشی ہاشم علی صاحب سرودگڑھ عصہ۔ قاضی بدرالدین صاحب کنگنہ عا۔ مولوی غلام رسول صاحب مدرس بجواڑہ صہ۔ جماعت سیکھواں عہ۔ میاں امیر الدین و دوست محمد صاحبان لائل پور للعہ۔ جماعت جہلم معرفت منشی امام الدین صاحب نقلنویس للعہ۔ میاں رحمت اللہ صاحب راہوں سے۔ جماعت لاہور معرفت حکیم محمد حسین قریشی لعہ۔ جماعت امرتسر معرفت ڈاکٹر عباد اللہ للعہ۔ منشی خان عالم صاحب نائب تحصیلدار جنڈ للعہ۔ بابو عبدالرحمن صاحب پورٹ فلارنس عصہ۔ ایک بنیر احمدی معرفت مولوی محمد فضل چنگوی راولپنڈی للعہ۔ میاں رحیم بخش صاحب احمدی چھور ۱۱؎ ضلع گوجرانوالہ ۶؎

فہرست خریداران رسالہ اردو از ۱۲۔ فروری لغایت ۲۸۔ فروری سنہ ۱۹۰۶ء

منشی محمد افضل خان صاحب شملہ۔ ۱۔ حکیم محمد حسین صاحب قریشی لاہور۔ ۳۔ چودھری سجاول خان صاحب جگراؤں۔ ۱۔ قاضی محمد سراج الدین صاحب قاضیکوٹ ۱۔ منشی محمد نواب خان صاحب تحصیلدار گجرات۔ ۱۔ منشی غلام احمد صاحب انسپکٹر ڈاکخانجات لدھیانہ ۱۔ میاں اکبر علی صاحب ساکن پوراں۔ ۱۔ سید قاسم علی صاحب سکرٹری انجمن احمدیہ دہلی۔ ۵۔ میاں محمد الدین صاحب قادیاں۔ ۱۔ ایڈیٹر صاحب اخبار وطن لاہور۔ ۲۔ مولوی عبدالوحید صاحب مہتمم بندوبست حلقہ مولاپور ریاست پٹیالہ ۱۔ منشی محمد حسین صاحب کلرک دفتر پیسہ اخبار لاہور ۱۔ چودھری رستم علی صاحب کورٹ انسپکٹر انبالہ۔ ۱۔ ملک پیر بخش صاحب صوابی ۱۔ ڈاکٹر محمد اسمٰعیل صاحب دہلی ۱۔ بابو علی بخش صاحب گوجرانوالہ ۱۔ بابو عمر الدین صاحب شملہ ۱۔ مولوی محمد فضل خان صاحب چنگوی حال راولپنڈی ۱۔ بابو غلام دستگیر صاحب لاہور ۱۔ ڈاکٹر عباد اللہ صاحب امرتسر ۱۔ چودھری عبداللہ خان صاحب بھاولپور۔ ۲۔ بابو آلہی بخش صاحب اسٹیشن ماسٹر ڈگری ۱۔ مولوی محمد علی صاحب مدرس پسرور ۲۔ منشی نواب الدین صاحب پسرور ۱۔ میاں امام بخش صاحب منی پور آسام ۱۔

چشمۂ مسیحی :- ایک شخص نے بنا بیع الاسلام کو پڑھکر حضرت اقدس کو ایک خط لکھا تھا اس تحریک پر یہ لطیف کتاب حضرت مسیح موعود نے لکھی ہے جسمیں بدلائل ثابت کیا ہے کہ موجودہ مذہب مسیحی کی تعلیم کیا ہے کہاں سے لی گئی ہے اور کہ اسلام ہی ایک سچا مذہب ہے اور نجات اسی میں ملتی ہے قیمت ۳ر میر مہدی حسین مہتمم کتب خانہ قادیان سے مل سکتی ہے۔